مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (الحديث)

نمازِ تراویح کی اہمیت
اور
چند قابلِ اصلاح پہلو

حفاظِ کرام، ائمۂ عظام، مصلیان اور مساجد کے منتظمین کی
خدمت میں نمازِ تراویح سے متعلق کچھ اہم گزارشات

تالیف
محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی
خادمِ تدریس دار العلوم حیدر آباد
وسابق معین المدرسین دار العلوم دیوبند

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه (الحدیث)

نمازِ تراویح کی اَہمیت

اور

چند قابلِ اصلاح پہلو

حفاظِ کرام، ائمہ عظام، مصلیان اور مساجد کے منتظمین کی
خدمت میں نمازِ تراویح سے متعلق کچھ اہم گزارشات

تالیف

محمد تبریز عالم (حلیمی قاسمی)

خادمِ تدریس دارالعلوم حیدرآباد

وسابق معین المدرسین دارالعلوم دیوبند

07207326739, 09631337468

mtalam800@gmail.com

اِس کتاب کی اِشاعت کی عام اِجازت ہے

نام کتاب	نمازِ تراویح کی اَہمیت اور چند قابلِ اِصلاح پہلو
سلسلۂ تالیف	۴
مولف	محمد تبریز عالم (حلیمی قاسمی)
سنِ اشاعت	۱۴۳۹ھ - ۲۰۱۸ء
تعدادِ صفحات	۶۴
کمپوزنگ	محمد بُشیر معروفی قاسمی (دارالعلوم حیدرآباد)
قیمت	۵۰/روپے
ناشر	جامعہ اِسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد
پریس	Printline Printers Hyd, Mob: 9849113112

ملنے کے پتے

(۱) محمد تبریز عالم (دارالعلوم حیدرآباد) موبائل: 07207326739

(۲) ہندوستان پیپر امپوریم، مچھلی کمان، چارمینار حیدرآباد، موبائل: 9246543507

(۳) مکتبہ الحرمین، دیوبند، موبائل: 08979354752

فہرست عناوین

❍❖❍

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اُس پر کہ جس نے دی جوانی کو

❍❖❍

منظوم تعارفِ کتاب

از: محمد اظہار الحق اظہرؔ بستوی قاسمی
صدر شعبۂ اسلامیات: اذان انٹرنیشنل اسکول، ٹولی چوکی، حیدرآباد

یہ رسالہ اک کھلا پیغام ہے ❖ حافظو! پڑھ لو، تمہارے نام ہے
یہ بتاتا ہے جو سب کا کام ہے ❖ اہلِ مسجد کے لیے انعام ہے
ذکر ہے اس میں کہ ہے کیا اعتدال ❖ جس کا سب کو چاہیے رکھنا خیال
ہے تراویحِ مبارک کا بیاں ❖ تذکرہ تاریخ کا اس کی عیاں
اہمیت تجوید کی بتلایا ہے ❖ بات کو تفصیل سے سمجھایا ہے
کیا ہو معیارِ تلاوت؟ یہ بھی ہے ❖ کیا ہو رفتارِ تلاوت؟ یہ بھی ہے
کیا ہیں آدابِ سماعت؟ وہ بھی ہیں ❖ کیا ہیں آدابِ تلاوت؟ وہ بھی ہیں
ہو تلاوت میں نہ عجلت بے پناہ ❖ مل نہ جائے اجر کے بدلے گناہ
روز حافظ رات میں کتنا پڑھیں ❖ ختم قرآں کتنی شب میں وہ کریں
اجرتِ قرآن لینا ہے غلط ❖ اجرتِ قرآن دینا ہے غلط
تذکرہ اس کا بھی ہے تفصیل سے ❖ ہے حوالوں سے کیا ثابت اسے
ہے مصنف کی یہی منشا فقط ❖ ہے یہی بس دردِ دل اس کا فقط
حافظ اپنی نیتیں خالص کریں ❖ نیکیوں سے اپنے دامن کو بھریں
اہل مسجد خیر خواہی بھی کریں ❖ لیکن اپنے طور سے ہٹ کر چلیں
اہل مسجد حافظوں کو خوب دیں ❖ خدمتِ حفاظ کو لازم کریں
چاہیں تو وہ گھر بنا کر ان کو دیں ❖ بچیوں کی ان کی شادی بھی کریں
لیکن یہ سب اجرتِ قرآں نہ ہو ❖ حافظ ان کا دل سے بھی خواہاں نہ ہو
چند دیگر پہلوؤں پر ہو نظر ❖ تاکہ حاصل ہم کو ہو جنت میں گھر
التجا تبریزؔ واظہرؔ کی سنیں ❖ منتظم، حافظ اسے دل سے پڑھیں
پڑھ کے لازم ہے عمل بھی سب کریں ❖ ہم کو بھی دل سے دعائیں خوب دیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مولف

نمازِ تراویح ایک اہم سالانہ عبادت ہے، جو انسان کو اللہ کے بے حد قریب کرنے والی ہے اس کے اتنی اہم عبادت ہونے کے باوجود یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ بہت سارے منکرات کھلے عام سرانجام پاتے ہیں؛ لیکن ماہِ رمضان میں علماء اور مفتیانِ کرام کی مصروفیت کی وجہ سے نمازِ تراویح میں پائی جانے والی بے اعتدالیوں اور کوتاہیوں کی بروقت اصلاح نہیں ہو پاتی، اور ماہِ رمضان کے بعد اِس موضوع پر لکھنا یا بولنا ضروری خیال نہیں کیا جاتا، جس کی وجہ سے بعض علاقوں میں نمازِ تراویح ایک رسم بن کر رہ گئی ہے؛ اِس لیے وہاں نماز تراویح کے بعض اہم امور کے مطلوبہ شرعی معیار پر نہ ہونے کی وجہ سے اصلاح ضروری ہے۔

گذشتہ کئی سالوں سے یہ اِحساس مجھے پریشان کرتا رہا کہ دینی مدرسہ کے ایک خادم ہونے کی حیثیت سے میرے اوپر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ اِس حوالے سے بے خبر طبقہ کو باخبر کیا جائے اور باخبر طبقہ کے ساتھ کبھی کبھی علمی مذاکرہ کا عمل جاری رکھا جائے؛ تاکہ ملت کی بے اعتدالیوں اور کوتاہیوں کی اصلاح ممکن ہوسکے؛ کیوں کہ آج ”فُقدانِ اعتدال“ ہی اِسلامی معاشرے کی خرابی کی بنیاد ہے۔

اِس پس منظر میں اصلاً نمازِ تراویح میں پائی جانے والی بے اعتدالیوں کی اصلاح کے لیے عوام وخواص کی خدمت میں چند گزارشات پیش کی جارہی ہیں، اور ضمناً کچھ خارجِ نماز بے اعتدالیوں کی نشان دہی بھی کی گئی ہے؛ اِس لیے ایک مرتبہ پورا کتابچہ ضرور پڑھنا چاہیے۔ منبر ومحراب سے وابستہ موقّر علماء اور دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ اِن پہلوؤں کو بھی اپنی خطابت کا موضوع بنائیں؛ تاکہ بیداری اور اصلاح کی کوشش کامیاب ہوسکے۔

علمائے دین چوں کہ مسلمانوں کے لیے قبلہ نما اور مشعلِ راہ کا درجہ رکھتے ہیں؛ اِس لیے امتِ مسلمہ کو ہر موڑ پر شاہ راہِ اعتدال پر گامزن کرنے کی کوشش ان کا اہم فریضہ ہے، انھیں اِس کی

ضرور کوشش کرنی چاہیے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کتابچہ میں جن پہلوؤں کی جانب خصوصی توجہ دلائی گئی ہے وہ بعض علاقوں کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر ہے، جن کا راقم الحروف خود مُشاہِد ہے؛ ورنہ الحمدللہ بہت سے علاقوں کی مساجد میں سنت کے مطابق نمازِ تراویح کا اہتمام کیا جاتا ہے اور تمام تر خرافات ومنکرات سے مکمل احتراز کیا جاتا ہے۔

میں اِس موقع پر اپنے تمام گرامی قدر اساتذۂ کرام؛ بالخصوص حضرت مولانا سعادت علی قاسمی صاحب زیدمجدہ (صدرالمدرسین ریاض العلوم گوریني/ جون پور) کے لیے دعا گو ہوں: اللہ تعالیٰ ان حضرات کو صحت وعافیت عطا فرمائے۔ خدمتِ دینِ متین کی توفیق اور علمی ترقی اِنہی حضرات کی دعاؤں کی مرہونِ منت ہے۔

اِس کتابچے کی تیاری اور اسے قابلِ استفادہ بنانے میں رفیق مکرم مولانا اظہار الحق بستوی قاسمی صاحب صدر شعبۂ اِسلامیات: اذان انٹرنیشنل اسکول ٹولی چوکی، حیدرآباد کا خاص تعاون حاصل رہا ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کو دنیا وآخرت میں ہر طرح کی ترقیات سے نوازے۔ برادرِ اکبر محمد شمشیر عالم صاحب کو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں خیر وبرکت سے مالا مال فرمائے اِس کتابچہ کی اشاعت میں انہی کا جذبۂ تعاون شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو محض اپنے فضل وکرم سے دین ودنیا کے تمام شعبوں میں ''راہِ اعتدال'' پر چلنا اور شرعی امور میں ''صراطِ مستقیم'' پر جمنا نصیب فرمائیں اور ہر قسم کے شُرور وفتن سے ہماری اور سارے مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

والحمد للّٰہ أولاً وآخراً وما توفيقي إلا باللّٰہ

محمد تبریز عالم (عفااللہ عنہ)

دارالعلوم حیدرآباد

۸/ رجب ۱۴۳۹ھ

۲۶/ مارچ ۲۰۱۸ء

بروز پیر

وصفِ اعتدال کی اہمیت ومعنویت

اِسلام شاہ راہِ اعتدال ہے۔صفتِ اعتدال دین ودنیا کے ہر معاملہ میں پسندیدہ اور مطلوب شئ ہے؛لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگ کچھ اپنی علمی اور کچھ دین سے بے توجہی اور غفلت کی وجہ سے اِس لفظِ اعتدال کی معنویت اور شریعت میں اس کی اہمیت سے ناواقف ہوتے جارہے ہیں،جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اِس وقت ہمارے اَفکار ونظریات کے ساتھ ہماری عبادتوں میں اِفراط وتفریط اور بے اعتدالی پیدا ہوتی جارہی ہے؛حالاں کہ دینی نظام میں بے اعتدالی اور افراط وتفریط کے نتائج بڑے نقصان دہ ہوتے ہیں۔

اپنے ظاہر وباطن کو پورے طور پر شریعت کا پابند بنادینے اور ہر حال میں شریعت کی پوری پوری تابعداری کرنے اور سنت کا پورا پورا اہتمام کرنے سے ہی اعتدال حاصل ہوتا ہے؛چناں چہ ہر موقع اور ہر مرحلہ کے مسائل اور احکام کی طرف توجہ کرکے ان کو اچھی طرح سیکھ لینا،سمجھ لینا اور پھر بقدرِ استطاعت اپنے آپ کو اسی کا پابند بنالینا شریعت کی نظر میں ’’اعتدال‘‘ کہلائے گا۔

لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ اعتدال پیدا کرنے کے لیے نرا ’’علم‘‘ کافی نہیں ہوتا جب تک ’’عمل‘‘ کا بھرپور جذبہ نہ ہو،اور یہ چیز پیدا ہوتی ہے دِل کے اندر ایمان واِتقان،اللہ کے خوف،اس کے وعدوں پر یقین،اُس کی وعیدوں سے ڈر،اُس کی اور اُس کے رسول کی محبت پیدا کرنے سے،آخرت کی فکر،اور جنت ودوزخ کا تصور کرنے سے۔

عبادات کا اعتدال ہے:ہر کام کو اخلاصِ نیت کے ساتھ،سنت کے مطابق انجام دینا،فرائض وواجبات کو لازم سمجھنا اور بغیر کسی کوتاہی کے ادا کرنا،سنن ومستحبات کا حتی الامکان اہتمام کرنا،شرک وبدعت اور ایسے حرام کاموں سے بچنا جو عبادت کی مقبولیت سے مانع بن جاتے ہیں۔

’’بدعت‘‘ کا مطلب ہے:امیدِ ثواب کے ساتھ کوئی ایسا کام کرنا جس کی اصل ہی شریعت میں نہ ہو یا شرعاً اُس کا جو درجہ ہو اُس سے اُس کو بڑھا دینا یا گھٹا دینا یا کسی غیر موقّت امر کو از خود کسی وقت سے مُقَیَّد کردینا اور اس کو شریعت کا حصہ سمجھنا یا کسی عام کو خاص،یا مطلق کو مقید یا اِس کے برعکس صورت کردینا۔

دین بیزاری کے اِس ماحول میں ہماری عبادات سنت کے مطابق ہیں یا نہیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ علماء وفقہاء کی ذمہ داری ہے کہ اپنے ماحول اور معاشرے پر کڑی نظر رکھیں۔ اگر عبادات میں وصفِ اعتدال مفقود نظر آئے تو اس کی نشان دہی شرعی تقاضا ہے، اس کی اصلاح کی فکر اور اس تعلق سے ہر ممکن اقدام دعوتی مزاج کا حصہ ہے۔ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ اور اس میں انجام پانے والی مختلف عبادتیں، ہماری روحانی غذا کی تکمیل کا ذریعہ ہیں، شیطان یہ کبھی گوارا نہیں کرے گا کہ ہماری روحانیت مضبوط سے مضبوط تر ہو؛ اِسی لیے اس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کی عبادتوں کو راہِ اعتدال سے ہٹا دیا جائے، ان کی عبادت وریاضت اور ذکر واَذکار کو سنت کی روشنی سے محروم کر دیا جائے؛ تاکہ وہ مادیت کے جال میں پھنستے چلے جائیں اور انھیں اِس کا اِحساس بھی نہ ہو۔

رمضان المبارک کا ایک اہم رکن ''نمازِ تراویح'' ہے۔ ہماری نمازِ تراویح بھی بعض مقامات میں ''حدِ اعتدال'' سے تجاوز کر چکی ہے؛ اِس لیے اس سے ہر طرح کی بے اعتدالی کو دور کرنا ہم سب مسلمانوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

تراویح - عہدِ نبوی سے عہدِ خلفائے راشدین تک

نمازِ تراویح رمضان میں قیام اللیل کا ایک بڑا ذریعہ ہے، اس کی مشروعیت میں تدریج کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے، سرکارِ دوعالم ﷺ کے زمانہ میں بالکل ابتدائی مرحلہ میں اِس نماز کی صرف ترغیب دی گئی تھی، تعدادِ رکعات اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام نہیں تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اِس سلسلے میں جو روایت منقول ہے اُس سے یہی معلوم ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: **من قام رمضان إيماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه** (۱) یعنی جو شخص رمضان میں (عبادت کے لیے) کھڑا ہوا ایمان کے ساتھ اور خالص اللہ کی رضا مندی کے لیے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے؛ چناں چہ صحابۂ کرام رمضان میں سونے سے پہلے از خود یہ نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

(۱) مشکوۃ ج:۱، ص:۱۷۳، کتاب الصوم، مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند

عہدِ نبوت میں ہی دوسرا مرحلہ یہ پیش آیا کہ سرکارِ دوعالم رسول ﷺ نے رمضان کی راتوں میں قیام کی سنیت کا باضابطہ طور پر اعلان فرمایا:

إن رمضان شهر افترض الله عزَّ وجَلَّ صيامه، وإني سننتُ للمسلمين قيامه، فمن صامه وقامه إيمانا واحتسابا خرج من الذنوب كيوم ولدته أمه.(١)

بے شک رمضان کے روزے کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے اور میں مسلمانوں کے لیے رمضان کی راتوں کے قیام کو مسنون قرار دیتا ہوں؛ پس جو مسلمان ایمان واخلاص کے ساتھ روزہ رکھے اور عبادت کے لیے کھڑا رہے وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے آج اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

مذکورہ روایت میں فرضیتِ صیام کے ساتھ قیام لیل کا امتزاج نمازِ تراویح کی اہمیت وافادیت کی واضح دلیل ہے اور نمازِ تراویح کے مسنون ومطلوب ہونے کی کھلی نشانی ہے۔اِس ترغیبی اعلان کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ صحابہ کرام: مرد وخواتین،انفرادی اور اجتماعی: دونوں طرح اپنے گھروں اور مسجد نبوی میں اِس نماز کا اہتمام کرنے لگے۔بیہقی کی روایت کے مطابق اگر چہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ تراویح کی جماعت کا اعلان نہیں فرمایا تھا؛ لیکن تراویح کی جماعت کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔اِس حوالے سے صحابہ کرام کا جوش وخروش اور ایمان واحتساب کا ایسا مظاہرہ ہوا کہ حضور ﷺ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہوجائے؛ اِس لیے آئندہ مسجد نبوی میں تراویح کے لیے آنا موقوف کردیا؛ تاہم آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اِس نماز سے منع نہیں فرمایا۔صحابہ کرام جو مزاجِ نبوت اور اندازِ رسالت سے خوب واقف تھے انھوں نے اِس سے یہ نتیجہ اَخذ کیا کہ نمازِ تراویح اور اس کی جماعت کے لیے مسجد میں جمع ہونا ایک جائز، محمود اور مسنون کام ہے؛ چناں چہ انھوں نے اِس نماز کا اہتمام موقوف نہیں کیا۔حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کا اپنے گھر کی مستورات کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھنا اور سرکارِ دوعالم ﷺ کی خاموش تائید روایت سے ثابت ہے۔ایک مرتبہ جب حضور ﷺ مسجد نبوی تشریف لائے اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ صحابہ کو نمازِ تراویح

(١) مسند احمد، رقم:١٦٨٨، طبعۃ دار المعارف، احمد شاکر

پڑھتے دیکھا تو ان کے عمل کو سراہا اور کہا: أصابوا أو نعم ما صنعوا (جو کچھ انھوں نے کیا درست ہے)۔ نیز اِس نماز کی اہمیت وفضیلت کے پیشِ نظر خود آپ ﷺ نے اپنے اہلِ خانہ کو اِس نماز کی ادائیگی کے لیے تین چار راتوں کو جمع فرمایا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں، عہدِ نبوت والی کیفیت ہی برقرار رہی؛ تاہم صدیقی عہد میں رمضان کی راتوں میں نمازوں کے اندر قراءت بہت طویل ہوتی تھی، نیز اِس دور میں ان حفاظ کے ساتھ لوگ نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے جن کی آواز میں دلکشی اور جاذبیت ہوتی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا۔ عہدِ فاروقی میں جب ایران اور روم کی طاقتیں ختم ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت کے آخری چھ سالوں میں ملک وملت کی تنظیم سے متعلق کارہائے نمایاں انجام دیے۔ باقاعدہ جماعت کے ساتھ بیس رکعات تراویح کا نظام اسی ملی تنظیم کا حصہ تھا۔ بخاری شریف میں اُس کی تفصیل یوں وارد ہوئی ہے:

ایک شب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی تشریف لائے اور لوگوں کو الگ الگ اور جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کو ایک امام کے پیچھے جمع کردینا بہتر معلوم ہوتا ہے؛ چناں چہ اِس کے لیے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا اور جماعت کے ساتھ نمازِ تراویح شروع ہوئی۔ اِس نئے نظام کے شروع ہونے کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا: **نعم البدعة هذه** یعنی نمازِ تراویح اچھا کام ہے، یہ کوئی نئی ایجاد نہیں ہے...۔(۱)

ابن قدامہ حنبلیؒ (۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

> جب خلیفہ ثانی حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے یہ سوچ کر کہ اب تراویح کی فرضیت کا کوئی امکان نہیں؛ لہٰذا جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے؛ چنانچہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح کا امام مقرر کردیا گیا۔ یہ ایک بڑا فیصلہ تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اِس فیصلہ پر نکیر نہیں

---

(۱) بخاری، رقم: ۲۰۱۰، باب فضل من قام رمضان

فرمائی؛ بلکہ اِس پر عمل شروع کر دیا؛ کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ مرادِ نبوی کے عین مطابق ہے، اِس طرح سے صحابہ کرام کا بیس رکعات نمازِ تراویح پر اتفاق ہو گیا۔(۱)

چوں کہ باجماعت تراویح کی نماز پر اجماع ہو چکا تھا؛ اس لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سابقہ صورت و کیفیت برقرار رہی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نمازِ تراویح کی امامت فرمایا کرتے تھے؛ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں دعاءِ ختم قرآن کا بھی اضافہ ہوا جو پہلے کے اَدوار میں نہیں تھا، پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بجائے خود تراویح کی امامت کرنے کے، صرف وتر کی امامت پسند فرمائی اور حسب سابق تراویح کے لیے ایک اچھے قاری کا انتخاب فرمایا۔ تراویح کا یہ سلسلہ مسجدِ نبوی میں کبھی موقوف نہیں ہوا اور تاہنوز جاری ہے۔(۲)

اِس تحریر سے معلوم ہوا کہ نمازِ تراویح ایک اہم سالانہ نماز ہے، اور اس کی ادائیگی پچھلے تمام صغیرہ گناہوں سے معافی کا ذریعہ ہے؛ اِسی لیے عہدِ نبوت سے لے کر آج تک اِس نماز کی ادائیگی کا اہتمام جاری ہے۔ چوں کہ نمازِ تراویح میں فرضیت کی شان پیدا ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا؛ اِس لیے عہدِ نبوت میں باضابطہ طور پر اِس کا نظام جاری نہیں کیا گیا؛ لیکن اِس سے نمازِ تراویح کی اہمیت وافادیت کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں کسی عمل میں ترقی کے تدریجی مراحل عنداللہ اُس عمل کے مقبول ہونے کی ایک بڑی دلیل ہوا کرتے ہیں۔

نمازِ تراویح کی شرعی حیثیت

مذاہب اربعہ میں تراویح کے تعلق سے اِس بات پر اتفاق ہے کہ یہ نماز سنن ونوافل میں ایک اہم نماز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نمازِ تراویح مرد و عورت سب کے لیے سنت موکدہ ہے(۳) اِس کا

(۱) المغنی ۱/۷۹۸، مکتبہ دارالکتاب العربی، بیروت

(۲) تلخیص: التراویح اکثر من الف عام فی مسجد النبی، عطیہ محمد سالم، مطبعۃ المدنی/ قاھرہ

(۳) سنتِ موکدہ وہ حکم شرعی ہے جس کو سرکارِ دوعالم ﷺ نے ہمیشہ کیا ہو؛ البتہ اِس خیال سے کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائے کبھی ترک بھی فرمایا ہو۔ یا اس کے کرنے کی شریعت میں تاکید آئی ہو۔ سنت موکدہ کا کرنے والا ثواب پائے گا اور بلا عذر شرعی ایک بار بھی ترک کرنے والا مستحق ملامت ہے اور ترک کی عادت بنانے والا فاسق اور سخت گنہ گار رہوگا۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ سنتِ موکدہ کا ترک حرام کے قریب ہے۔

ترک جائز نہیں۔

تراویح میں جماعت سنت کفایہ ہے کہ اگر مسجد کے سب لوگ چھوڑ دیں گے تو سب گنہگار ہوں گے۔ اور اگر مسجد میں تراویح جماعت سے پڑھی جارہی ہے؛ لیکن کسی ایک نے گھر میں تنہا پڑھ لی تو گنہگار نہیں ہوگا؛ مگر جو ایسا با اثر ہو کہ اس کے موجود ہونے سے جماعت بڑی ہوتی ہے اور نہ ہونے سے لوگ کم ہوجاتے ہیں تو اسے بلا عذر جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ تراویح کے اندر ماہِ رمضان میں ایک مرتبہ قرآن ختم کرنا مسنون ہے۔(۱)

نمازِ تراویح کا مقصد اور اس کی اہمیت

اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہوگیا کہ تراویح ایک مسنون نماز ہے۔ اگر اِس نماز کے اَغراض ومقاصد میں غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نمازِ تراویح معمولاتِ رمضان میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتی ہے اور قیامِ لیل کی خاص فضیلت حاصل کرنے کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے؛ اِسی لیے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے سے آج تک نمازِ تراویح باجماعت ادا کرنے کا تعامُل چلا آرہا ہے۔

نمازِ تراویح کی باجماعت ادائیگی کا ایک دوسرا اہم مقصد مکمل قرآن کریم کی قراءت وسماعت بھی ہے؛ چنانچہ تراویح میں پورا قرآن سننا اور سنانا مسنون ہے۔ خلفائے راشدین کا حددرجہ اہتمام فقط اِسی لیے تھا کہ عوام کے دلوں میں قرآن کی تلاوت کی گونج سنائی دے۔ اس کی مسنون حیثیت کو موکد حیثیت دینا، تحفظِ قرآن اور تحفظ تلاوتِ قرآن پر ہی مُنتج ہوتی ہے۔ شاید عہدِ نبوی میں اس کی باجماعت ادائیگی کا رواج اِس لیے بھی موقوف رکھا گیا کہ نمازِ تراویح کا مذکورہ مقصد (قیامِ لیل) انفرادی طور سے حاصل ہورہا تھا؛ چوں کہ عہدِ نبوت میں کوئی صحابی تلاوتِ قرآن اور سماعتِ قرآن سے محروم نہیں تھا۔ تمام صحابہ تلاوتِ قرآن کے مشتاق تھے؛ بلکہ بعض صحابہ اتنے مشتاق تھے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کرنا پڑا کہ اتنی کثرت سے تلاوت نہ کی جائے کہ دوسرے حقوق ضائع ہونے لگیں، یہی وجہ ہے کہ وہ عام نوافل میں پورا پورا قرآن مکمل کرلیا کرتے تھے؛ لیکن جب دورِ نبوت ختم ہوا اور

---

(۱) التراويح سنة موكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين، وفي شرح منية المصلي: وحكى غير واحد الإجماع على سنيتها. (ردالمحتار ج:۲ ص:۴۳۰، مکتبہ دارالکتاب، دیوبند)

خلفائے راشدین کا زمانہ آیا تو اِسلام لانے والوں کی کثرت کی وجہ سے عقیدہ میں پختگی اُس درجہ نہ رہی جس درجہ صحابہ ؓ کے عقیدہ میں تھی۔ اوامر میں استخفاف اور سنن سے کوتاہی کے واقعات بھی سامنے آئے۔ انہی بنیادوں پر حضرت عمر ؓ نے باضابطہ طور پر تراویح با جماعت ادا کرنے کا حکم دیا اور تاریخی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اِس حکم کا مقصد جہاں قیام رمضان تھا وہیں یہ بھی تھا کہ عام لوگ مکمل قرآن سننے کا اہتمام کر سکیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ حفاظتِ قرآن بھی اِس کا ایک مقصد ہے۔

موجودہ دور میں اِس حکمت و مصلحت کا ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ تلاوت سے عدمِ دلچسپی اِس درجہ عام ہو چکی ہے کہ قرآن ایک مظلوم کتاب بن کر رہ گئی ہے۔ رمضان میں یقیناً اِس کتابِ الٰہی کی تلاوت کا خوب اہتمام ہوتا ہے؛ لیکن نمازوں میں قرآن پڑھنے اور سننے کا اہتمام صِفر کے درجہ میں ہے۔ نمازِ تراویح کی مشروعیت و مسنونیت کا ایک خاص منشاء یہ بھی ہے کہ سال میں کم از کم ایک مرتبہ نماز کے اندر پورا قرآن دوسرے سے بھی سن لیا جائے۔ جیسے قرآن مجید پڑھنا کارِ ثواب ہے، اس کتابِ ہدایت کا سننا بھی کارِ ثواب وعبادت ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کبھی کبھی کسی صحابی سے بھی قرآن کریم سنا کرتے تھے۔

نمازِ تراویح کے لیے حضرات اُبیّ ابن کعب ؓ اور تمیم داری ؓ کا انتخاب

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جب باجماعت نمازِ تراویح کا نظام قائم فرمایا تو اِس کی امامت کے لیے دو صحابی: حضرت ابی ابن کعب ؓ اور حضرت تمیم داری ؓ کا انتخاب فرمایا: اگر نمازِ تراویح کا مقصد پیشِ نظر ہو تو اِس انتخاب پر تعجب نہیں ہوگا کہ اکابرِ صحابہ کی موجودگی میں ان کا انتخاب کیوں ہوا؟

چوں کہ اعجازِ قرآن، بلاغتِ قرآن اور فہمِ قرآن کا تعلق سماعتِ قرآن سے بھی ہے؛ اس لیے تراویح میں ایسا امام مقرر ہونا ضروری بھی ہے جس کی آواز میں دلکشی ہو، خوفِ الٰہی کی جھلک ہو اور اس کی قراءت سن کر لوگوں میں تشنگی کا احساس باقی رہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (جو عہدِ نبوت میں نمازِ تراویح کی جزوی امامت کر چکے تھے) ان تمام اوصاف سے متصف تھے۔ مناسب ہے کہ ان کی زندگی کے کچھ حالات درج کیے جائیں۔

علامہ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

أبي بن كعب: سيدالقراء أبو منذر الأنصاري المدني المقرئ البدري ويكنى أيضا أباالطفيل.(١)

یعنی حضرت ابی بن کعبؓ بہت بڑے قاری تھے، سید القراء کی ترکیب اپنے اندر علم تجوید وقراءت کا وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانے میں جمعِ قرآن کا کام بھی کر چکے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو قرآن سنا چکے تھے۔ علم وعمل میں بہت فائق تھے۔ اُنھیں نہ صرف قرآن؛ بلکہ جملہ علومِ قرآن میں مہارت حاصل تھی، حدیث وفقہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، حضرت ابن عباسؓ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: "أقرأنا أبي" یعنی ہم میں حضرت اُبی سب سے بڑے قاری قرآن ہیں، حضور ﷺ کے دور میں ہی حفظ قرآن کی تکمیل کر لی تھی اور حفظِ قرآن نہایت پختہ تھا، قرآن کے ساتھ ان کا شغف کیسا تھا اِس کے لیے چند واقعات درجِ ذیل ہیں:

(الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ایک دن رسول کریم ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھارے سامنے قرآن پڑھوں، حضرت ابیؓ نے عرض کیا: کیا اللہ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، حضرت ابیؓ نے کہا: دونوں جہاں کے پروردگار کے ہاں میرا ذکر کیا گیا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ (یہ سنتے ہی) حضرت ابیؓ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمھارے سامنے سورہ لم یکن الذین کفروا پڑھوں، حضرت ابیؓ نے عرض کیا: کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں تو وہ رو پڑے۔(٢)

فائدہ: حضرت اُبی ابن کعبؓ کا نام چوں کہ بطورِ خاص اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں ذکر فرمایا، اس پر بوجہ فرطِ مسرت انھیں رونا آ گیا، اِس عظیم شرف پر خوشی کا اس طرح اظہار سب سے زیادہ مناسب تھا۔

(ب) حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں: (ایک مرتبہ مجھ سے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوالمنذر! کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے نزدیک کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟

---

(١) سیر اعلام النبلاء ج:١ص:٣٩٠، مؤسسۃ الرسالۃ

(٢) مشکوۃ ج:١ص:١٩٠، فضائل القرآن، مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیو بند

میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں (کہ وہ کون سی آیت ہے)۔حضور ﷺ نے پھر پوچھا تو میں نے کہا **الله لا إله إلا هو الحي القيوم** (پوری آیت الکرسی)، (یہ سن کر) آں حضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا: ابوالمنذر! خدا کرے تمھارا علم خوش گوار اور تروتازہ رہے۔(۱)

فائدہ: صحیح جواب دینے پر حضور ﷺ نے انھیں دو اعزاز عطا کیے: ایک ان کے سینے پر ہاتھ مارا جو مرکزِ علم ہے، دوسرا اُن کے علم میں استحکام اور اضافہ کی دعا فرمائی۔

مذکورہ واقعات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کا تجوید وقراءت اور قرآن کریم کی تفسیر ومعانی میں کیا مقام تھا۔یہی وجہ ہے کہ آپ کو زمانہ نبوت میں ہی فتوی دینے کا شرف حاصل ہوا۔صدیقی دور میں قرآن مجید کی ترتیب وتدوین پر جولوگ مامور ہوئے ان میں آپ بھی شامل تھے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قراءتِ قرآنی میں ان کے طریقہ کو پسند فرمایا تھا اور آج انھیں کے طریقہ کے مطابق لکھے گئے نسخوں کی پیروی کی جارہی ہے۔

حضرت تمیم داریؓ: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اصلاً ملک شام میں فلسطین کے رہنے والے تھے اور مذہباً نصرانی تھے۔ ۹ھ سنۃ الوفود میں آپ مشرف بہ اسلام ہوئے۔حضور ﷺ کے بعد جن صحابہ کرامؓ نے حفظِ مکمل کیا ان میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ علمائے اہل کتابین (یہودی ونصاریٰ) میں سے تھے۔محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں: رات بھر نوافل میں قرآن پاک پڑھا کرتے تھے اور کبھی ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔ابو قلابہؒ فرماتے ہیں: تمیم داری رضی اللہ عنہ سات راتوں میں قرآن پاک ختم کرتے تھے۔حاصل یہ کہ آپ قرآن پاک سے والہانہ تعلق رکھتے تھے، اور بہت زیادہ تلاوت کیا کرتے تھے **وكان تلاّءً لكتاب الله**.(۲)

اِس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نمازِ تراویح کی امامت کے لیے کس معیار کا حافظ یا

(۱) مشکوۃ ۱/۱۸۵، یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند

(۲) اصابہ، ج:۱ص:۱۸۶، مکتبہ دارالکتاب العربی، بیروت- تہذیب التہذیب، ج:۱ص:۴۸۲، مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت- سیر اعلام، ج:۲ص:۴۴۲، مکتبہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت

قاری منتخب کیا جانا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو مزاجِ نبوت سے قریب تر تھے، ان کا اِس امامت تراویح کے لیے ''سید القراء'' اور ''تلاّء لکتاب اللہ'' کا انتخاب یقیناً ہمیں بہت کچھ بتاتا اور سکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حرمین شریفین اور دیگر اِسلامی مملکت کی مساجد میں امامِ تراویح کا انتخاب، بہت ہی غور وفکر اور علمِ تجوید وقراءت اور دیگر علومِ شرعیہ میں مہارت کی بنیادوں پر ہی ہوتا ہے؛ لیکن ہمارے علاقہ کی بعض مساجد میں انتخابِ امامِ تراویح کا معیار گرتا جارہا ہے جس کی جانب توجہ کی ضرورت ہے۔

نمازِ تراویح میں قرآن کی تلاوت اور امام کی ذمہ داری

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اِس کو بندوں کے قلبی اَمراض اور روحانی بیماریوں کے لیے شافی بنا کر اتارا گیا ہے۔ اِس کے الفاظ ومعانی بھی اِکسیرِ شفا ہیں اور اِس کے مطالب ومعانی بھی پُرتاثیر دوا ہیں۔ قرآن کریم کے ظاہری حروف ونقوش اور باطنی معانی ومفاہیم دونوں میں سے ہر ایک کی مستقل اہمیت ہے۔ علماء نے جس طرح حفظ وناظرہ کے ذریعے قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح تفسیر وتاویل کے ذریعے قرآن کریم کے معانی کی حفاظت کو بھی فرض کفایہ قرار دیا ہے، روزانہ نمازوں میں زبانی طور سے جہری یا سِرّی قراءت، الفاظِ قرآن کی حفاظت کا بہت ہی موثر ذریعہ ہے؛ اسی لیے امامت کی ترجیحات میں ''حسن الصوت'' بھی ایک وجہ ترجیح ہے، تجوید وقراءت کا علم اس سے بڑی وجہِ ترجیح ہے اور کتاب وسنت کے احکام ومسائل اور پیغامِ رب العالمین کی سمجھ اور جانکاری ایک ایسی وجہ ہے جو سب سے زیادہ فائق ہے۔

نمازِ تراویح کی امامت، اس میں قرآن کریم کی تلاوت اور اس تلاوت کی سماعت کا نظام، جہاں ایک طرف حفاظتِ قرآن کا ایک اہم ذریعہ ہے وہیں دوسری طرف ایک مہینے میں پورا قرآن پڑھنے اور سننے کے ذریعہ خیر وبرکت کے حصول کا وسیلہ اور کلامِ الٰہی کے ساتھ اپنی والہانہ محبت کے اظہار کا سبب بھی ہے۔ اِسی لیے علماء وفقہاء نے قرآن کی قراءت وسماعت کے اصول وضوابط مقرر کیے ہیں اور صحتِ الفاظ وتجوید کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اِس لیے نمازِ تراویح کے امام کے لیے ضروری ہے کہ دورانِ تراویح تلاوتِ قرآن میں تجوید وترتیل کا خیال رکھے، صحیح مخارج سے حروف کی ادائیگی، ترتیل اور صوتی نغمگی کا اہتمام مقصدِ تراویح کے حصول میں بے حد مُمِدّ ومُعاوِن ہوگا۔

علمِ تجوید کی اہمیت

تجوید اس علم کا نام ہے جس سے قرآن مجید کے الفاظ اور حروف کی بہتر سے بہتر ادائیگی اور آیات وکلمات پر وقف کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ہر زبان کا ایک لہجہ اور انداز ہوتا ہے، جب تک وہ لہجہ اور انداز باقی رہتا ہے زبان دلچسپ اور شیریں معلوم ہوتی ہے۔ تجوید کی رعایت کیے بغیر قرآن کی زبان تو وہی رہے گی؛ لیکن اس کی لطافت ختم ہوجاتی ہے۔ عربی زبان میں الفاظ وحروف کے علاوہ تلفظ واَدائیگی کو بھی بے حد دخل ہے۔ علاوہ ازیں تلاوت میں غُنہ، اِخفاء، اِدغام، قَلقلہ اور مَدّ وغیرہ کی رعایت نہایت اہمیت کی حامل چیز ہے؛ لہٰذا ایک مسلمان جب تلاوت کی منزل میں آئے گا تو ان تمام اصول وآداب کو سیکھنا اور برتنا ضروری ہوگا۔ اور اگر یہ تلاوت، اُم العبادات نماز کے اندر مطلوب ہو اور اس کے بغیر نماز کا حسن مفقود ہوجاتا ہو تو اس میں اصول وضوابط کی رعایت کس قدر ضروری امر ہوگا، ہر شخص اس کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اِسی لیے قرآن کریم نے خود بھی ترتیل کا حکم دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کا حسن اِس ترتیل کے بغیر ایسا ہے جیسے روح کے بغیر جسم اور خوشبو کے بغیر پھول۔

علمِ تجوید اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ واجب وضروری نہ سہی؛ لیکن ایک مقدار تک واجب ضرور ہے، یعنی قرآن مجید پڑھنے کے لیے جس قدر قواعد ضروری ہیں کہ اُن کے بغیر نماز درست نہیں ہوسکتی، عملاً اُن کی رعایت فرضِ عین ہے، اِس کے بغیر نماز کی صحت مشکل ہے اور نماز ہی کی قبولیت پر سارے اعمال کی قبولیت کا دارومدار ہے۔ اِسی لیے علمِ تجوید کی غایت: تصحیحِ حروف کو قرار دیا گیا ہے۔ اگر ایک شخص قرآن مجید قواعدِ تجوید کے موافق صحیح پڑھتا ہے؛ مگر لہجہ نہیں بنا سکتا تو وہ مُجوِّد کہلانے کا حق دار ہے اور اس کے برعکس اگر کوئی شخص لہجہ تو خوب جانتا ہے مگر قرآن کی تلاوت تجوید کے موافق نہیں کرتا تو اس کو مجوِّد کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ (۱)

تجوید کے حوالے سے دارالعلوم دیوبند کا فتوی

سِری اور جہری دونوں طرح کی نمازوں میں قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنا چاہیے……

(۱) والتجويد حلية التلاوة وزينة القراءة فمن يقرأ القرآن مجوداً مصححا كما أنزل فإن الآذان تتمتع بسماعه وتتأثر به الجوارح وتخشع لتلاوته القلوب. (الوافی فی کیفیۃ ترتیل القرآن الکریم ج:۱،ص:۹۱ شاملہ)

نماز سری ہو یا جہری دونوں ہی میں کلام پاک کی تلاوت بہت احتیاط سے کرنی چاہیے، حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا چاہیے، ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف نہ بدلنا چاہیے؛ بسا اوقات ایسی صورت میں نماز کے فاسد ہونے کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ’’وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا‘‘، قرآن کو اچھی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔(۱)

قرآن کی آیتِ ترتیل کی تفسیر

قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا(۲)

مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ (م:۱۳۹۶ھ) اِس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ترتیل کے لفظی معنی کلمہ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنے کے ہیں۔ (مفردات امام راغب) مطلب آیت کا یہ ہے کہ تلاوت قرآن میں جلدی نہ کریں؛ بلکہ ترتیل و تسہیل کے ساتھ ادا کریں اور ساتھ ہی اس کے معانی میں تدبر و غور کریں (قرطبی) ورتل کا عطف قم الليل پر ہے اور اس میں اس کا بیان ہے کہ رات کے قیام میں کیا کرنا ہے......

مسئلہ: اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کا صرف پڑھنا مطلوب نہیں؛ بلکہ ترتیل بھی مطلوب ہے، جس میں ہر کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو، حضرت نبی کریم ﷺ اسی طرح ترتیل فرماتے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا سے بعض لوگوں نے رات کی نماز میں آپ ﷺ کی تلاوتِ قرآن کی کیفیت دریافت کی تو انھوں نے نقل کر کے بتلایا جس میں ایک ایک حرف واضح تھا۔ (ترمذی)

مسئلہ: ترتیل میں تحسین صوت یعنی بقدر اختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی قراءت وتلاوت کو ایسا نہیں سنتا جیسا اس نبی کی تلاوت کو سنتا ہے جو خوش آوازی کے ساتھ جہراً تلاوت کرے۔ (مظہری)(۳)

---

(۱) دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، جواب:۵۷۲۶۰ (۲) المزمل:۴

(۳) معارف القرآن ج:۸ص:۵۹۱، مکتبہ معارف القرآن/کراچی

بغیر تجوید کے قرآن پڑھنے کا نقصان

محققین علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ بغیر تجوید قرآن پڑھنا ثواب سے محرومی کا سبب ہے؛ چناں چہ علامہ جزریؒ (م:۸۳۳ھ) لکھتے ہیں:

وَالأَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ حَتْمٌ لَازِمٌ = مَنْ لَمْ يُجَوِّدِ القُرآنَ آثِمُ ”یعنی تجوید کا علم حاصل کرنا لازم اور ضروری ہے، جو شخص تجوید سے قرآن نہ پڑھے وہ گنہ گار ہے۔ ایسا اِس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجوید کے ساتھ ہی قرآن کو نازل کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: **رُبَّ تَالٍ لِلقرآنِ والقُرآنُ يَلْعَنُهُ** (۱) یعنی بہت سے لوگ قرآن کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ تصحیح حروف کی طرف توجہ نہ دیں؛ بلکہ حروف کو غلط پڑھیں وہی اِس کے مصداق ہوں گے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک شخص کو قرآن پڑھا رہے تھے اس نے **إنما الصدقات للفقراء** کو مَد کے بغیر پڑھا، تو آپؓ نے اس کو ٹوکا اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اِس طرح نہیں پڑھایا ہے اور **للفقراء** کو مَد کے ساتھ پڑھ کر سنایا۔

تلاوت کو لحن (غلطی) سے محفوظ رکھنا ضروری ہے

تجوید کے خلاف قرآن پڑھنے کو لحن کہتے ہیں: لحن کی دو قسمیں ہیں: (۱) لحن جلی (۲) لحن خفی

لحن جلی بڑی اور واضح غلطی کو کہتے ہیں یعنی صفات لازمہ ومخارج وغیرہ میں غلطی کرنا اور یہ پانچ طرح کی ہوتی ہے:

(۱) حروف میں تبدیلی کرنا جیسے **الْحَمْدُ** کی جگہ **الهمدُ** پڑھنا، **المسجد** کو **المزجد** پڑھنا۔

(۲) متحرک کی جگہ ساکن جیسے **انْشَاهَا** کی جگہ **أَنْشَاْهَا** پڑھنا یا ساکن کی جگہ متحرک مثلا **خَلْقاً** کی جگہ **خَلَقاً** پڑھنا۔

(۳) حرکتوں کے اندر تبدیلی کرنا جیسے **أَنعَمْتَ** کی جگہ **أنعمتُ** یا **أنعمتِ** پڑھنا۔

(۴) حروف کو گھٹا دینا جیسے **لم يُوْلَدْ** کو **لَمْ يُلد** یا حروف کو بڑھا دینا جیسے **لم يلِد** کی

(۱) احیاء علوم الدین، الباب وھی عشرۃ ج:۱ص:۲۴۲، مکتبہ دار القلم، بیروت

جگہ لَمْ یَلِیْدْ پڑھنا۔

(۵) مُشَدَّد حروف کو مُخَفَّف جیسے اِیَّاکَ کی جگہ اِیَاکَ پڑھنا یا مخفف کی جگہ مشدد کر کے پڑھنا جیسے أَظْلَمَ کی جگہ اظَّلَمَ پڑھنا

لحن جلی کے ساتھ قرآن پاک پڑھنا حرام ہے۔ بسا اوقات اِس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؛ اِس لیے اِس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

لحن خفی: چھوٹی غلطی کو کہتے ہیں: یعنی صفات مُحَسِّنہ (وہ صفات جو تلاوت میں خوبصورتی پیدا کرتی ہیں) میں غلطی کرنا۔ ایسی کچھ اہم جگہوں کی نشاں دہی کی جاتی ہے۔

(۱) پُر کی جگہ باریک پڑھنا جیسے رَبَّکَ میں را کو باریک پڑھنا یا باریک کی جگہ پُر پڑھنا جیسے باللہ میں اللہ کے لام کو پُر (موٹا اور گاڑھا) پڑھنا۔

(۲) اظہار کی جگہ اخفا کرنا جیسے عذابٌ أليم کی تنوین کی آواز کو ناک میں چھپا کر پڑھنا یا اخفا کی جگہ اظہار کرنا جیسے یتیماً فآوی کی تنوین میں اظہار کرنا۔

(۳) مدِ متصل/ لازم کی جگہ مد نہ کرنا جیسے و السمآء یا الٓمّ کو بغیر مد کے پڑھنا۔

لحن خفی کے ساتھ قرآن پاک پڑھنا مکروہ ہے؛ اِس لیے اِس سے بھی بچنا ضروری ہے۔(۱)

تنبیہ: ہم عجمی لوگ اپنی گفتگو اور اندازِ گفتگو کے مطابق قرآن پڑھتے ہیں؛ حالاں کہ اردو تلفظ اور قرآن کی تلاوت میں فرق ہے، مثلا: اردو بول چال میں بہت سے لوگ ''مطلب'' کو ''متلب''، ''فضل'' کو ''فجل''، ''صورت'' کو ''سورت''، ''ثواب'' کو ''سواب'' بولتے ہیں اور عموماً اسے غلطی شمار نہیں کیا جاتا؛ لیکن یہی انداز اگر تلاوتِ قرآن میں اختیار کیا جائے تو یہ زبردست غلطی شمار ہوتی ہے، کیوں کہ ایسی غلطی سے معانی بدل جاتے ہیں اور نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

قرآن پڑھنے کے مراتب

تجوید کے ساتھ قرآن شریف پڑھنے کے چار درجے ہیں: (۱) تحقیق: بقصدِ تعلیم نہایت آہستہ اور اطمینان سے پڑھنا؛ تاکہ معانی میں خوب تدبر کیا جا سکے۔ (۲) ترتیل: نہایت آہستہ اور

---

(۱) المیزان فی احکام تجوید القرآن، شاملہ

کسی قدر اطمینان سے پڑھنا کہ اگر کوئی لکھنا اور سمجھنا چاہے تو لکھ اور سمجھ سکے جیسے جلسوں میں قراءت ہوتی ہے۔(۳) تدویر: نہ بہت تیز اور نہ بہت آہستہ: رعایتِ تجوید کے ساتھ متوسط طریقے سے پڑھنا جیسے عموماً نمازوں میں پڑھا جاتا ہے۔(۴) حدر: اصولِ تجوید کی رعایت کرتے ہوئے کسی قدر رفتار سے پڑھنا؛ بایں طور کہ لحن جلی وخفی سے احتراز ہو۔ عام طور پر ایسے ہی تلاوت ہوتی ہے۔حرمین کے ائمہ تراویح میں یہی رفتار اپناتے ہیں۔

اِس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھتے وقت، خواہ خارج نماز ہو یا اندرونِ نماز، دونوں صورتوں میں ان چار مراتب میں سے کسی ایک کی پابندی ضروری ہے، اور ہر درجے میں تجوید کی رعایت ناگزیر ہے۔(۱)

علمِ تجوید اور مدارس کا کردار

ہمارے ملک میں مدارس اِسلامیہ کا قیام اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، تجوید وقراءت کے تعلق سے بھی مدارسِ اسلامیہ کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے قرآنی مکاتب اور دینی مدارس کا یہ عظیم الشان سلسلہ اِسی احساسِ فرض، اور اس کی ادائیگی کا ایک حصہ ہے؛ چناں چہ قرآن کریم کو صحتِ حروف اور قواعدِ تجوید کے ساتھ پڑھنا اور پڑھانا، اکثر مدارس کا محبوب مشغلہ ہے اور عامۃ الناس بھی عصر حاضر میں اِس سے کافی حد تک دلچسپی لینے لگے ہیں۔

آج ہر علاقے میں قراءت وتجوید کے ماہرین دستیاب ہیں؛ لیکن اِس کے باوجود ابھی بھی عوام کا ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جو تجوید وقراءت کے ضروری قواعد سے نابلَد ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو قرآنی مکاتب سے مربوط کریں اور تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھیں، اور اپنے بچوں کے اندر اِس تعلق سے بیداری پیدا کریں۔ اسکول وکالج میں پڑھنے والے طلبہ بھی اِس طرف خصوصی توجہ دیں۔ البتہ بعض مدارس ایسے بھی ہیں جہاں تجوید وقراءت پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی اور نہ ہی اِس تعلق سے کوئی شعبہ قائم ہے، ایسے مدارس کے ذمہ داروں کو اِس جانب توجہ دینی چاہیے۔

---

(۱) الوافی فی کیفیۃ ترتیل القرآن الکریم ج:۱، ص:۱۷، شاملہ

نمازِ تراویح میں تلاوت کا معیار

تلاوت وقراءت کا معیار نماز اور خارجِ نماز کیا ہونا چاہیے؛ اِس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔ نمازِ تراویح کی امامت کرنے والے حُفّاظ اور قُرّاء کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تلاوت کو تلاوت وقراءت کے آخری درجہ (حدر) سے باہر نہ لے جائیں۔ یقیناً تراویح کی نماز میں عام نمازوں کے مقابلہ میں وقت زیادہ درکار ہوتا ہے؛ لیکن تلاوت وقراءت میں اتنی عجلت کہ الفاظِ قرآن صاف ادا نہ ہوں اور مخارج وصفات کی رعایت نہ ہو تو مقصدِ نمازِ تراویح اور مقصدِ تلاوتِ قرآن کے خلاف ہونے کے ساتھ، اصولِ تجوید کے خلاف بھی ہے؛ حالاں کہ نمازِ تراویح میں بھی تحسینِ صَوت، اصولِ تجوید کی رعایت اور دیگر لوازمِ تلاوت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے؛ ورنہ لاکھ محنت کے باوجود قاری وسامع دونوں اجر وثواب اور تراویح وتلاوت کے انوار وبرکات سے محروم رہیں گے۔ رمضان المبارک کی رونقِ شب تراویح سے قائم ہے؛ اِس لیے نمازِ تراویح میں تلاوتِ قرآن کا اپنا ایک خصوصی اور ضروری معیار ہونا چاہیے۔(۱)

اِس میں کوئی شک نہیں کہ تراویح پڑھانے کا عمل دشوار طلب ہے۔ دورانِ نماز قرآن کریم کی زبانی تلاوت کرنا، کس رکعت میں کہاں سے شروع کرنا ہے، سجدہ اور رکوع کب ہوگا، دوسری رکعت میں کہاں سے تلاوت ہوگی؟ رکعات کی تعداد یاد رکھنا اور دیگر تمام چیزوں کو ذہنوں میں رکھتے ہوئے تراویح کی نماز پڑھی جاتی ہے، یقیناً ظاہری اعتبار سے یہ مشکل کام ہے۔

لیکن راقم الحروف کا احساس یہ ہے کہ یہ پریشانی خود ہماری ایجاد کردہ ہے۔ حفاظ وعوام دونوں قصوروار ہیں، اگر ہر مسجد میں نمازِ تراویح ایک چاند سے دوسرے چاند تک جاری رہے جو تراویح کا مناسب طریقہ ہے، تو نہ حفاظ کو پریشانی ہوگی اور نہ ہی عوام کو۔ عوام نے اپنی سہولت اور جلدی کے لیے حفاظ کو چار چار اور پانچ پانچ پارے ایک رات میں پڑھنے پر مجبور کیا جس کی وجہ سے تلاوت کی رفتار حد سے زیادہ بڑھادی گئی۔ نتیجۃً اصولِ تجوید کی رعایت کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ نماز کے اندر تلاوتِ قرآن مجید میں اصولِ تجوید کی رعایت کس قدر ضروری ہے اِس کا اندازہ اِس

---

(۱) ویکرہ الإسراع في القراءۃ وفي أداء الأرکان کذا في السراجیة وکلما رتل فھو حسن کذا في فتاوی قاضي خان. (ہندیہ ج:۱ص:۱۱۷-۱۱۸، مکتبہ دارالکتاب، دیوبند)

بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سرکار دو عالم رسول اللہ ﷺ اپنی مسجد کے خود امام تھے، آپ علیہ السلام کے بعد تمام خلفاء اِس منصب پر فائز رہے تو کیا وہ حضرات نمازوں میں تیز رفتاری سے قراءت کرتے تھے؟ ہرگز نہیں۔(۱)

راقم الحروف کا مقصد یہ نہیں کہ ہر جگہ، ہر حافظ تیز رفتاری اور عجلت پسندی کے ساتھ قراءت کرتا ہے؛ بلکہ مقصدِ تحریر یہ ہے کہ جن مساجد میں یا دکان ومکان میں نمازِ تراویح میں تیز رفتاری کی عادت پڑ گئی ہے۔ وہاں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ تیز رفتاری مطلقاً منع نہیں ہے؛ بلکہ جس تیز رفتاری میں اصولِ تجوید کی رعایت نہ رکھی جائے؛ بلکہ صرف وقت کا خیال رکھا جائے وہ غلط ہے، اور اِس سے بڑی غلطی یہ ہے کہ بعض مقتدی اِس تیز رفتاری کو (تراویح کے جلد ختم ہوجانے کی وجہ سے) پسند کرتے ہیں، فتاوی دارالعلوم ج:۴ص:۲۵۷ مکتبہ زکریا، دیوبند میں لکھا ہے کہ ایسا پڑھنا امر منکر (ناپسندیدہ عمل) ہے جو بجائے ثواب کے گناہ کا سبب ہے۔

تراویح کتنی راتوں میں پوری کی جائے؟

علماء وفقہاء نے تراویح کی راتوں کی تعداد کے سلسلے میں کوئی ایسی حد بندی نہیں کی ہے کہ اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو نماز ہی نہ ہو؛ بلکہ اِس اَمر کو مقتدی اور امام کے شوق ونشاط پر چھوڑ دیا گیا ہے؛ لہٰذا مساجد کے ائمہ اور مقتدی حضرات جتنی راتوں پر متفق ہوں اتنی رات میں قرآن کریم ختم کرنا جائز ہے؛ لیکن راتوں کی ہر وہ تعداد جس میں قرآن کی تلاوت اتنی رفتار سے کرنی پڑتی ہو کہ یعلمون تعلمون کے علاوہ کچھ سمجھ میں نہ آتا ہو درست نہیں ہے۔ یہ تیز رفتاری عموماً اُس وقت ہوتی ہے جب کم سے کم دنوں میں قرآن ختم کرنا پیش نظر ہو۔ اگر ختم قرآن کے ایام زیادہ رکھے جائیں تو تیز رفتاری پر کنٹرول ممکن ہے اور اِس کے لیے حفاظ کو محنت کرنی پڑے گی۔ جن مساجد میں تین یا چھ راتوں میں ختم قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے وہاں کی تیز رفتاری کا معیار عموماً ''دائرہ حدر'' سے باہر ہوجاتا ہے۔ اِس لیے کہ کہیں کہیں اِس طرح کی تراویح پڑھنے والوں کی اکثریت ایسی ہوتی ہے جنھیں دنیاوی مشاغل کی وجہ سے جلدی ہوتی ہے، انھیں نہ قرآن کی صحیح سماعت سے کچھ

---

(۱) درمختار میں ہے: يقرأ في الفرض بالترسل حرفا حرفا وفي التراويح بين بين (وفي رد المحتار) (قوله بين بين) بأن تكون بين الترسل والإسراع. (الدرمع الردج:۲ص:۲۶۲، مکتبہ زکریا، دیوبند)

مطلب ہوتا ہے اور نہ ہی تصحیح حروف سے کچھ تعلق، انھیں تو صرف تراویح پڑھنے والوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرانا مقصود ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تین یا چھ شب کی تراویح ناجائز ہے؛ بلکہ بتانا یہ ہے کہ ایسی تراویح میں تلاوت کا معیار برقرار رکھنا بہت مشکل ہے۔ ہاں یہی چھ روز کی تراویح اگر بارہ ایک بجے رات تک پڑھی جائے تو کچھ حرج نہیں؛ بلکہ بہتر ہے؛ اِس لیے مناسب یہ ہے کہ ختم تراویح کے ایام زیادہ سے زیادہ مقرر کیے جائیں؛ تاکہ قرآن خوانی کی غلط رفتار پر قابو پایا جاسکے۔ آخر عوام اور حفاظ حرمین شریفین کی نمازِ تراویح اور اندازِ تلاوتِ قرآن کو اپنا معیار کیوں نہیں بناتے۔

اگر ''حدر'' کا معیار نمازِ تراویح میں برقرار رکھا جائے تو کم از کم ایک پارہ پڑھنے میں اوسطاً ۳۵ تا ۴۰ منٹ لگنے چاہئیں، اِس حساب سے ایک رات میں اگر پانچ پارے کی تلاوت کی جائے تو تقریباً تین گھنٹے صرف تلاوت میں صرف ہوں گے۔ اس کے علاوہ بیس مرتبہ الحمد شریف، دس مرتبہ ثنا، بیس رکوع اور چالیس سجدے میں مجموعی طور سے کم از کم رکوع میں ساٹھ مرتبہ اور سجدے میں ایک سو بیس مرتبہ تسبیحات، دس مرتبہ التحیات، دس مرتبہ درود و دعا اور کبھی کبھی مجموعی طور سے چودہ مرتبہ سجودِ تلاوت: اعتدال کے ساتھ ان تمام افعال وارکان کے لیے کم از کم اوسطاً ایک گھنٹہ لگنا چاہیے، اب اگر مجموعی طور پر چار گھنٹے میں پانچ پاروں والی تراویح ختم ہوتی ہے تو فقہی اعتبار سے جائز ہے اور اِس سے کم میں ختم ہوجاتی ہو تو یقیناً یہ فقہی اور شرعی معیار کے مطابق نہیں ہے؛ اِس لیے اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔

تراویح کا مناسب اور معتدل طریقہ

سرکارِ دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد ایک اُصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ ''جیسے میں نماز پڑھتا ہوں تم بھی ویسے ہی نماز پڑھو''(۱) یعنی نماز میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی تقلید اور نقل ضروری ہے۔ اپنی مرضی، خواہش اور ضرورت کے پیشِ نظر کوئی ایسا عمل اور انداز اختیار کرنا جو شریعت وسنت کے اعتبار سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا، درست نہیں۔ نماز خواہ یومیہ ہو یا سالانہ (تراویح) ایسی عبادت ہے جو زمانہ نبوت سے آج تک تسلسل اور تواتر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ شروع میں تراویح کی جو تاریخ پیش

---

(۱) بخاری، رقم: ۱۱۰۱

کی گئی ہے وہ اِسی مقصد کو سمجھانے کی ایک کوشش ہے۔ ماضی کا مطالعہ، حال کی اصلاح کے لیے بہت معاون ہوتا ہے۔ زمانہ نبوت سے آج تک مسجدِ نبوی میں تراویح کی نماز ہوتی آ رہی ہے۔ مسجدِ نبوی کی تاریخی روایت اور نمازِ تراویح کا انداز پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا بہت آسان ہے کہ ہمارے دیارِ عجم میں بہت سی مساجد میں نمازِ تراویح کا رائج طریقہ اور اندازِ تلاوت، ''طریقۂ نبوی'' کے نہج سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ائمہ مساجد اور اس کے علاقہ کے علماء وفقہاء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اِس غلط روایت یا انداز پر گرفت فرمائیں۔ ہماری پنج وقتہ نمازوں کی تلاوت کا انداز اور تراویح میں تلاوت کا انداز الگ الگ کیوں ہے؟ اگر چہ نوافل میں ذرا تیز رفتار تلاوت کی اجازت ہے؛ لیکن وہ اجازت بھی اصولِ تجوید کی رعایت کے ساتھ مشروط ہے۔ ہماری نمازِ تراویح کی قراءت کا لحن جلی کے ساتھ لحنِ خفی سے محفوظ ہونا نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر نمازِ تراویح کی تلاوت کے مثبت اثرات اور روحانی انوار و برکات کا حصول مشکل ہے۔

تراویح کا سب سے مناسب اور معتدل طریقہ؛ بالخصوص موجودہ دور میں یہ ہے کہ کم از کم بیس رمضان کے بعد کسی رات میں ایک قرآن مکمل کیا جائے۔ یہ طریقہ ائمہ اور مصلیان: دونوں کے لیے نہ صرف یہ کہ باعثِ راحت ہے؛ بلکہ سماعتِ قرآن کے مقصد کی تکمیل کا موثر ذریعہ بھی ہے۔ غور فرمائیں کہ اگر پورے ہندوستان میں تمام مساجد کے اندر یہ نظام (ایک چاند سے دوسرے چاند تک) جاری ہو جائے تو کسی فردِ بشر کو چنداں پریشانی نہیں ہوگی۔ کیا سال بھر پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی میں کسی کو کہیں بھی کوئی پریشانی ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں! تو آج پھر کچھ مسلمانوں نے اپنی دنیاوی مشاغل کی وجہ سے نمازِ تراویح کو کیوں کھیل تماشہ بنا دیا ہے۔ ایسے لوگ نمازِ تراویح کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرتے ہیں جہاں چار پانچ دنوں میں چھٹی ہو جاتی ہو، ایسے حفاظ کی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے جو ''حافظ راجدھانی'' کا مصداق ہوں۔

قلیل مدتی نمازِ تراویح کا اعلان

مذکورہ بالا طرزِ عمل کا منفی اثر یہ ہوا کہ بعض جگہوں پر اب مساجد کے منبر و محراب سے یہ اعلانات بھی ہونے لگے ہیں کہ شہر کے فلاں فلاں مقامات پر تین یا پانچ روز میں نمازِ تراویح کے اندر ایک ختم قرآن کا اہتمام کیا جا رہا ہے، آپ حضرات سے شرکت کی درخواست ہے۔ حفاظ کے

نام کے ساتھ چھوٹے چھوٹے اشتہارات بھی چھپتے ہیں۔ یقیناً نمازِ تراویح کی کثرت اور تعدُّد، حفاظ کرام کے لیے باعثِ شرف وسعادت ہے؛ لیکن اِس شرف وسعادت کا تصور ثانوی درجہ اختیار کر چکا ہے۔ مادیت کا حصول، شہرت ونا موری کے ساتھ جلد از جلد نمازِ تراویح سے چھٹی اولین مقاصد بن چکے ہیں، اِس طرح کے اعلانات غیر مناسب بلکہ غیر شرعی ہیں۔ آپ مساجد سے مصلیوں کی تعداد گھٹا کر مکانات ودکانات میں ان کی تعداد بڑھانا چاہتے ہیں؟ عام لوگ مساجد کے منبر اور مائک سے ہونے والے اعلانات اور اعلانات کرنے والے ائمہ حضرات کی وجہ سے یقیناً دھوکہ کھا رہے ہیں اِس پر روک لگنی چاہیے۔ نوبت بایں جا رسید کہ بعض علاقوں میں مقتدیٰ حضرات اور معاشرہ میں امامت وقیادت کے منصب پر فائز علماء حضرات کی طرف سے اِس طرح کے اعلانات کے ذریعہ پانچ روز میں پورا قرآن سنا کر چھٹی دیئے جانے کی بات بھی سامنے آ رہی ہے جو یقیناً لمحۂ فکریہ اور نمازِ تراویح کو ''نبوی طریقہ'' سے الگ کرنے کی کوشش ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ پانچ روز یا اس سے بھی کم دنوں میں ختم قرآن سے فارغ ہو جانا غلط نہیں ہے؛ لیکن میں اپنے مشاہدے کی وجہ سے یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ عصر حاضر میں پانچ روز کی تراویح میں تیز رفتاری اور اصولِ تجوید کی عدمِ رعایت کی وجہ سے اندازِ تلاوت کا معیار یقیناً قابلِ اصلاح ہے۔

نمازِ تراویح میں مقدارِ قراءت کی چند جھلکیاں

چوں کہ تراویح کی نماز صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے؛ اِس لیے بیس رکعات میں پڑھے جانے والے قرآن کی زیادہ مقدار کم ہمت اور غیر دیندار طبقہ کے لیے گھبراہٹ اور الجھن کا سبب ہوتی ہے؛ لہٰذا شریعت نے تراویح کا جو فطری نظام پیش کیا ہے اور جس نظامِ (سہولت) کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوب سمجھا اور اِسی لیے اس کو اسی منہاجِ نبوت کے حدود پر قائم فرمایا، عصر حاضر کے تناظر میں اس نظامِ تراویح کو سمجھنا اور سمجھانا پہلے سے زیادہ اہم اور ضروری ہے؛ تاکہ نمازِ تراویح کی موجودہ غیر معیاری تلاوت وقراءت کی اصلاح کی جا سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اِس نظامِ نمازِ تراویح کو باضابطہ نافذ کیا تو اِس کا بھرپور خیال رکھا کہ لوگوں میں اِس نماز کے تعلق سے نشاط اور شوق ورغبت برقرار رہے، عبادت (خواہ فرض ہو یا نفل) اکتاہٹ وگھبراہٹ، سستی وکسل مندی اور حیرانی وپریشانی کا سبب نہیں ہونی چاہیے؛ کیوں کہ

عبادات تو تسکینِ روحِ مومن کا باعث ہوتی ہیں؛ چناں چہ انھوں نے سید القراء حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد قراء کا انتظام فرمایا جو باری باری سے تراویح کی نماز کی امامت کیا کرتے تھے۔ اِس کا فائدہ امامِ تراویح کو یہ ہوا کہ وہ ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ کے احساس سے آزاد ہوگیا اور مصلیانِ تراویح کے لیے یہ تبدیلی باعثِ نشاط ثابت ہوئی۔ امام کی تبدیلی اور نیا لب ولہجہ یقیناً سامعین میں نئی روح اور نئی تازگی کا سبب ہوتا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاکید کر رکھی تھی کہ تراویح کی ہر رکعت میں قراءت کی مقدار معتدل ہونی چاہیے؛ چناں چہ حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ ہر رکعت میں پانچ اور چھ آیات پڑھا کرتے تھے۔ امام مالکؒ جو مدینہ کے فقیہ امام تھے اور مدینہ کے شرعی، سماجی اور معاشرتی احوال سے خوب واقف تھے اُن سے پوچھا گیا: رمضان میں قاری کو کتنی قراءت کرنی چاہیے؟ فرمایا: ہر رکعت میں دس دس آیات پڑھنا مناسب ہے۔ ابن وھب نے المدونۃ الکبری کے اندر لکھا ہے کہ حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ نے قُرّاء کو تاکید کر رکھی کہ وہ ہر رکعت میں دس آیات پڑھا کریں۔ علامہ عطیہ محمد سالم جنھوں نے مسجد نبوی میں عہدِ نبوت سے آج تک تراویح جاری ہونے کی مستقل تاریخ لکھی ہے، انھوں نے اپنے زمانہ کا معمول لکھا ہے: مسجد نبوی میں نمازِ تراویح کے دو امام تھے: فضیلۃ الشیخ عبد العزیز پانچ سلام سے دس رکعات پڑھاتے تھے، اس کے بعد فضیلۃ الشیخ عبد المجید دس رکعات پڑھایا کرتے تھے اور ہر رات دونوں کی مجموعی قراءت ایک پارہ ہوتی تھی اور دونوں حضرات آدھا آدھا گھنٹہ لیا کرتے تھے یعنی بیس رکعت ایک گھنٹہ میں مکمل ہوتی تھی۔ فاضل محقق نے اِس تعلق سے کچھ ائمہ کے اقوال بھی نقل کیے ہیں:

(الف) الأفضل أن يقرأ قدر قراءة المغرب؛ لأن النوافل مبنِيَّة على الخفيف خصوصاً بالجماعة.

(ب) والذي عليه الأكثرون ما رواه الحسن عن أبي حنيفة أنه يقرأ في كل ركعة عشر آيات، فعدد التراويح ستمائة ركعة أو خمس مائة وثمانون، وعدد آي القرآن ستة آلاف وشيء، ونقل بعضهم عن الحسن قال: عشر آيات ونحوها وهو حسن ...... (۱)

---

(۱) التراویح اکثر من الف عام فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص:۱۲۱

مطلب یہ ہے کہ نمازِ تراویح کا فطری نظام اِس امر کا متقاضی ہے کہ اوسطاً ہر رکعت میں دس آیاتِ قرآنیہ پڑھنے کا اہتمام کیا جائے؛ اِس کی تائید قرآن کریم کی تعدادِ آیات سے ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی جملہ آیات تقریباً چھ ہزار ہیں، اب اگر مہینہ تیس دن کا ہوا تو تراویح کی جملہ چھ سو رکعات ہوں گی اور انتیس کے حساب سے پانچ سو اَسّی رکعتیں ہوں گی، اِس حساب سے ہر رکعات میں دس گیارہ آیات کی تلاوت ہی مناسب اور متعدل ہے۔(۱)

چوں کہ قرآن اور رمضان دو وفا شعار ساتھی ہیں؛ اِس لیے تراویح میں تلاوتِ قرآن کی یہ مقدار یقیناً فطری نظام کا حصہ ہے۔ غور فرمائیں کہ اگر یہ نظامِ تراویح ہر بستی، ہر شہر اور ملک کی تمام مساجد میں نافذ ہو جائے تو یقیناً نمازِ تراویح تسکینِ روحِ مومن کا ذریعہ ہوگی۔

قراءتِ قرآن میں توازن ضروری ہے

بعض حفاظ کی عادت ہوتی ہے کہ ابتدائی رکعات میں قرآن بہت زیادہ پڑھ دیتے ہیں، جس سے لوگ پریشان اور تھکن کا شکار ہو جاتے ہیں پھر آخری رکعتوں میں تھوڑا پڑھتے ہیں، یہ اعتدال کے خلاف ہے۔ اس میں یقیناً حافظ کو سہولت رہتی ہے؛ لیکن اسے عوام اور مصلیان کی سہولت کا خیال رکھنے کا حکم ہے؛ اِس لیے اعتدال کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ تاہم اگر کہیں مذکورہ طریقہ میں ہی مقتدی حضرات کو سہولت محسوس ہو تو اس میں حرج بھی نہیں ہے۔

معتدل نظام کی خلاف ورزی - اَسباب ونتائج

اِس وقت شہروں میں رسمی ختم قرآن کا رجحان بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اِس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اسباب ونتائج پر غور کیا جائے؛ تا کہ اصلاح کا عمل آسان

---

(۱) یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ قرآن میں رکوع کی علامت کا مقصد آیات کی ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاتی ہے اور اس کو رکوع اِسی لیے کہتے ہیں کہ نماز میں اِس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے، مشائخ بخاریٰ نے قرآن کریم میں پانچ سو چالیس رکوع لگائے ہیں؛ تا کہ تراویح میں ہر رکعت کے اندر ایک رکوع پڑھا جائے اور ستائیس رمضان تک ایک ختم ہو جائے؛ اِس لیے حفاظ کرام کے لیے اِس طریقے کے مطابق عمل کرنا بہت مناسب اور معتدل ہے۔

نوٹ: ہمارے یہاں قرآن کے جو نسخے دستیاب ہیں اُن میں رکوعات کی تعداد مع سورہ فاتحہ پانچ سو اٹھاون (۵۵۸) ہے اور بعض کتابوں میں پانچ سو سرسٹھ (۵۶۷) کی تعداد بھی منقول ہے، ممکن ہے کہ علامت لگانے میں مختلف نسخوں میں کچھ اختلاف رہا ہو۔

ہوسکے۔ سات، پانچ یا تین دنوں میں ختمِ قرآن کا جو رواج بن چکا ہے اس میں بالعموم درجِ ذیل مفاسد پائے جاتے ہیں:

۱- تیز رفتار تلاوت کی وجہ سے تجوید کو ترک کردیا جانا۔

۲- امام کو تخفیفِ صلاۃ کا حکم ہے، اس کی مخالفت کا پایا جانا۔

۳- ایسی تراویح میں شرکت کرنے والوں کا آدابِ اِستماع (غور سے قرآن سننا) کا خیال نہ رکھنا؛ چنانچہ لمبی قراءت کی وجہ سے کوئی پچھلی صف میں بیٹھا رہتا ہے کوئی سویا رہتا ہے، کوئی گپ شپ میں تو کوئی موبائل میں مشغول رہتا ہے، اور کافی لوگ امام کے رکوع میں جانے کے منتظر رہتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ تراویح میں ایک بار پورا قرآن سننا ضروری اور سنت موکدہ ہے۔ جو لوگ امام کے ساتھ شریک نہیں ہوتے ان سے اتنا قرآن کریم کا حصہ فوت ہوجاتا ہے؛ اس لیے یہ لوگ نہ صرف ایک ثواب سے محروم رہتے ہیں؛ بلکہ نہایت مکروہ فعل کے مرتکب ہوتے ہیں؛ کیوں کہ ان کا یہ فعل قرآن کریم سے اِعراض کے مشابہ ہے۔(۱) کہیں کہیں تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ نمازِ عشاء کے بعد امام اور موذن بھی راحت وآرام کے لیے پیچھے چلے جاتے ہیں اور کہیں کہیں اگلی صفوں میں جگہ خالی رہ جاتی ہے۔ ایسی تراویح میں لوگوں کی آمد ورفت اور چہل پہل کی وجہ سے شور وشغب بھی ہوتا رہتا ہے، ایسی تیز رفتار تراویح میں بہت کم لوگ قرآن سے شغف یا اس کے سننے سے دلچسپی کی وجہ سے شریک ہوتے ہیں۔

۴- ختمِ قرآن کے بعد باقی راتوں میں تراویح کا تارک بننا۔ جن مساجد میں قلیل مدتی تراویح کا رواج ہے، ایک مرتبہ قرآن مکمل ہونے کے بعد اکثر لوگ مسجد میں تراویح کی نماز میں شرکت نہیں کرتے۔ گویا رمضان کی آئندہ راتوں میں تراویح سے چھٹی دے دی گئی ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ اکثر لوگ عشاء کی فرض نماز پڑھنے کے بعد، صحنِ مسجد یا پچھلی صف میں جاکر سنن ونوافل اور وتر پڑھ کر گھر چلے جاتے ہیں؛ کیوں کہ ہمارے طرزِ عمل نے انھیں یہ مسئلہ بتادیا ہے کہ

---

(۱) يكره للمقتدى أن يقعد في التراويح فإذا أراد الإمام أن يركع يقوم؛ لأن فيه إظهار التكاسل في الصلاة والتشبه بالمنافقين. (البحر الرائق ج:۲ص:۱۲۲، مکتبہ زکریا، دیوبند- آپ کے مسائل اور ان کا حل ج:۴ص: ۱۹۱ مکتبہ لدھیانوی، کراچی)

ایک مرتبہ ختم قرآن کے بعد تراویح کی نماز میں شرکت ضروری نہیں ہے۔اصولِ تجوید کی رعایت کے ساتھ قلیل مدتی تراویح میں ایک مرتبہ قرآن مکمل کرنا درست ہے اور یہ ایک مستقل سنت ہے، اور رمضان کی ہر شب میں تراویح کا اہتمام مستقل دوسری سنت ہے جو موکدہ ہے۔ اِس لیے ایک سنت کی ادائیگی کی اتنی فکر کہ تین گھنٹے کھڑے ہوکر قیام اللیل کی فضیلت حاصل کی گئی، جو یقیناً اجر وثواب کا باعث ہے؛ لیکن اِس کے بعد اِس سے اہم سنت کا ترک کہاں کی عقل مندی ہے اور محبتِ رسول کا یہ کیسا پیمانہ ہے؟ دس پندرہ روز مساجد کو آباد رکھنا یقیناً غیرتِ اِیمانی کی دلیل ہے؛ لیکن اس کے بعد مساجد کو بے رونق کر دینا یا بے رونقی کے حالات واسباب پیدا کر دینا کس غیرتِ اِیمانی اور محبتِ رسول کا حصہ ہے؟ رمضان کے تین عشرے ہیں، اور تینوں کی خاص فضیلت وارد ہے، ایک عشرہ یا اس سے بھی کم یا اس سے کچھ زائد میں راتوں کی عبادت کی فضیلت حاصل کرنا اور دوسرے یا تیسرے عشرے کی فضیلت کو ترک کر دینا سمجھ سے بالاتر ہے، یہ رب چاہی زندگی نہیں ہے؛ بلکہ اس میں نفس کا عمل دخل زیادہ ہے؛ حالاں کہ فقہ کی کتابوں میں صراحتاً لکھا ہوا ہے کہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا جو تعطیلِ مساجد کا سبب ہو درست نہیں ہے، یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ تراویح میں اتنی مقدار قرآن پڑھنا کہ لوگوں کو گرانی ہو اور لوگ بے رغبتی سے سنتے ہوں یا خانہ پُری کرتے ہوں مکروہ ہے اور بڑی فضیلت سے محرومی کا باعث ہے۔(۱)

۵- قلیل مدتی تراویح میں اخلاص وللّٰہیت کا کم ہونا، ایسی تراویح سے عموماً ریا، شہرت اور دکھاوا مقصود ہوتا ہے؛ اِسی لیے ایسی تراویح کا باضابطہ اعلان کیا جاتا ہے اور اس میں شرکت کی ترغیب دی جاتی ہے اِلا ماشاء اللہ۔

۶- اگر ایسی تراویح غیر مسجد: مثلاً دکان ومکان یا فیکٹری میں ادا کی جارہی ہے تو عشاء کی فرض نماز بھی وہیں ادا کی جاتی ہے؛ حالاں کہ فرض نماز غیر مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی جائے تو یقیناً مسجد کی جماعت کم ہوگی اور تقلیلِ جماعت کا سبب بننا درست نہیں ہے۔فرض نماز کی جماعت

---

(۱) لو حصل الختم ليلة التاسع عشر أو الحادي والعشرين لاتترك التراويح في بقية الشهر لأنها سنة كذا في الجوهرة النيرة، الأصح أنه يكره له الترك كذا في السراج الوهاج عالمگیری ج:۱ص:۱۱۸، مکتبہ دارالکتاب، دیوبند)

میں کثرت مطلوب ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کچھ افراد فجر، ظہر، عصر اور مغرب کی نماز محلے کی مسجد میں ادا کرتے ہیں اور وہی حضرات عشاء مع تراویح دکان ومکان میں یا دور کی مسجد میں پڑھتے ہیں۔

۷- حفاظ کو نذرانہ اور معاوضہ ملنے کی امید ہونا۔ عام فقہاء نے تراویح کی اجرت کو ناجائز قرار دیا ہے، اس کے باوجود اِس غیر شرعی کام کا ارتکاب شوق سے کیا جا رہا ہے۔ حفاظ کو جلد از جلد نذرانہ ملنے کی شکل یہی ہے کہ قرآن بعجلت مکمل کرلیا جائے۔ بعض حفاظ دو تین مقامات پر تراویح کی امامت کرتے ہیں، اِس کے پیچھے عموماً مالی معاوضہ کے حصول کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اصولِ تجوید کی رعایت کے ساتھ قرآن پڑھا جائے گا تو چار پانچ پاروں کی تلاوت میں اچھا خاصا وقت لگے گا، لوگ بہت زیادہ تھک جائیں گے، تو اِس سے بچنے کے لیے ''تیز رفتاری'' کا شارٹ کٹ راستہ ہی انھیں مناسب معلوم ہوتا ہے، جو خلافِ سنت ہے۔ اور ایسے خوش نصیب حفاظ جو بلا اجرت تراویح کی نماز پڑھاتے ہیں یا ایسی مساجد جہاں کے صدور اور مصلیان دینی مزاج کے حامل ہیں اور ان کے دل عظمتِ قرآن کی روشنی سے معمور ہیں، وہ اِس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ حفاظ اور صدور ومصلیان فطری نظام کے مطابق تراویح پڑھاتے اور پڑھتے ہیں اور تراویح کی فضیلتوں اور اجر وثواب کے مستحق بنتے ہیں۔

۸- جن مساجد کے ائمہ اور حفاظ کسی مدرسہ کے ذمہ دار یا مدرس ہوتے ہیں، وہ بھی دس پندرہ روز میں قرآن مکمل کرلینا ضروری سمجھتے ہیں؛ کیوں کہ انھیں چندہ کرنے کے لیے شہر یا شہر کے باہر جانا ضروری ہوتا ہے؛ اِس لیے وہ عوام کے سامنے زیادہ ایام یا ستائیس راتوں والی تراویح کی تجویز ہی نہیں رکھتے؛ چناں چہ دس پندرہ روز کے بعد راتوں میں مسجدیں ویران ہوجاتی ہیں؛ لہٰذا ایسی مسجدوں میں نمازِ تراویح کی امامت کے لیے کسی ایسے حافظ وقاری کا انتخاب کرنا چاہیے جو کم از کم ستائیس راتوں کی تراویح پڑھا سکتا ہو؛ لہٰذا اِس جانب خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

۹- قلیل مدتی تراویح کے رواج کی ایک بڑی وجہ ''تجارت ومعیشت'' ہے۔ چوں کہ مسلمانوں نے رمضان کے مقدس ماہ کو خرید وفروخت اور شاپنگ اور عید کی بیجا تیاری کا ماہ سمجھ لیا ہے؛ اِس لیے مسلمان تاجرین اور دکان داروں کی خواہش ہوتی ہے کہ شروع رمضان کے پانچ روز میں جیسے تیسے ایک مرتبہ قرآن سن لیا جائے پھر رمضان کے آخری دنوں میں آرام سے دکان داری میں

مصروف رہیں گے؛ کیوں کہ بقیہ ایام میں تراویح سے چھٹی کا تصور ان کے ذہنوں میں موجود رہتا ہے، حفاظ بھی آسانی سے دستیاب ہوجاتے ہیں؛ اِس لیے کہ نذرانہ میں موٹی رقم ملنے کی قوی امید ہوتی ہے۔لہٰذا اب مسئلہ یہ ہے کہ عید کی ایسی خرید وفروخت جو ایک مہینہ تراویح سے مانع بن جائے غیر درست ہے۔ایسی عید مادی خوشیوں کا سبب ہوسکتی ہے، حقیقی اور روحانی خوشیاں شریعت وسنت کی پیروی سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔خدا تعالیٰ خالق ورازق ہیں، تراویح پڑھنے سے کیا رزق سے محروم فرمادیں گے؟ ہرگز نہیں۔

خلاصہ: قلیل مدتی تراویح کے رواج کی جتنی وجوہ ہوسکتی ہیں، مذکورہ تفصیل کے پیش نظر درست نہیں ہیں؛ اِس لیے مذکورہ بالا قباحتوں اور منفی نتائج کی وجہ سے اِس رواج ورجحان کو کم کرنے اور لوگوں کو نمازِ تراویح نیز ختم قرآن کا اصل حکم بتلانے کی ضرورت ہے؛ تاکہ لوگ مروجہ طریقہ کو ختم کرتے ہوئے تراویح کا اہتمام مسجدوں ہی میں کریں اور قرآن سننے اور سنانے کا عمل پورے ماہ برقرار رہے؛ تاکہ نمازیوں کی تعداد اخیر عشرہ کی تراویح میں بھی اسی قدر نظر آئے جتنی کہ آغازِ ماہ میں نظر آتی ہے۔اِس حوالے سے مساجد کے ائمہ کرام، صدور اور شہر کے ذمہ دار اور دین دار طبقہ کو آگے آنا چاہیے اور باہمی مشورہ کے ساتھ تراویح کے فطری نظام کے نفاذ کی کوشش کرنی چاہیے اور ہر ایسے نظام سے بالکلیہ احتراز کرنا چاہیے جو ترکِ تراویح یا تراویح میں سستی اور غفلت کا باعث ہے۔

اَرکان کی ادائیگی میں جلد بازی نہ کریں

جن مساجد میں نمازِ تراویح کی قراءت تیز رفتار ہوتی ہے اُن مساجد میں حفاظ ومصلیان: دونوں نمازِ تراویح میں رکوع، قومہ(۱) سجدہ اور جلسہ اتنی جلدی جلدی ادا کرتے ہیں کہ اُن میں جو طُمانینت (سکون) اور تعدیل مطلوب ہے وہ فوت ہوجاتی ہے۔نمازِ تراویح اگرچہ سنتِ موکدہ ہے؛ لیکن

---

(۱) قومہ کا مطلب ہے: رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا اور جلسہ کہتے ہیں: دونوں سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا، نماز کے اندر اَرکانِ اربعہ: رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ میں تعدیل واجب یا اعلیٰ درجہ کی سنتِ موکدہ ہے۔اِن اعمال کو کم از کم اِس طرح ادا کرنا ضروری ہے کہ تمام اعضاء اور ہڈیوں کے جوڑ اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں اور پرسکون ہوجائیں۔یہ کیفیت کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کے بقدر ٹھہرنے سے حاصل ہوجاتی ہے، اگر تعدیلِ اَرکان کو چھوڑ دیا جائے تو نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا تو ہوجاتی ہے؛ لیکن اجروثواب میں کمی واقع ہوجاتی ہے؛ بلکہ ایک قول کے مطابق ایسی نمازوں کا اعادہ ضروری ہے۔(شامی ج:۲ص:۱۵۷، زکریا، دیوبند)

جماعت کے ساتھ اِس کی ادائیگی اِس میں فرضیت کی مشابہت اور شان پیدا کر دیتی ہے؛ اِس لیے نماز تراویح کے اندر جملہ ارکان وافعال؛ خصوصاً رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنا نہایت ضروری امر ہے، لوگ اِس میں بڑی کوتاہی کرتے ہیں، تراویح کی ہر رکعت میں ایک قومہ اور ایک جلسہ ہوتا ہے، اگر اُن کو اطمینان کے ساتھ ادا نہ کیا جائے تو ہر رکعت کے ساتھ دو گناہ کا اِرتکاب ہوتا ہے، اگر پوری تراویح اِسی بری کیفیت کے ساتھ ادا کی گئی تو اس میں چالیس گناہوں کا اِرتکاب شامل ہو جائے گا، ذرا سوچیے! جو شخص رمضان کی مقدس راتوں میں سے ہر رات فقط تراویح میں اتنے گناہ کا مرتکب ہوگا اُسے نمازِ تراویح کے اَنوار وبرکات اور قیام اللیل کی خاص فضیلتیں کیوں کر نصیب ہوں گی؟ لہٰذا حفاظ ومصلیان کو اپنی نمازِ تراویح کا جائزہ لینا چاہیے۔

نمازِ تراویح اور معاشی وسماجی مصروفیت

روشن خیال اور تجدُّد پسند طبقہ کی طرف سے یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ لوگوں کی تجارتی ومعاشی مصروفیات کے پیش نظر قلیل مدتی تراویح کا نظام بہت مناسب ہے کہ کم از کم اِس کی وجہ سے ایک بڑی تعداد تراویح میں شریک ہو جاتی ہے، اور اِس آواز پر لبیک کہتے ہوئے بعض حفاظ وائمہ قلیل مدتی تراویح کے جواز کا عملی فتوی دیتے ہیں، اور مذکورہ بالا قباحتوں کے ساتھ تراویح کی نماز ہونے لگتی ہے؛ لیکن قلیل مدتی تراویح کے جواز کی یہ بنیاد غلط ہے جس کی وضاحت اوپر آ چکی ہے۔ مزید عرض یہ ہے کہ معاشی وسماجی سرگرمیاں تخفیفِ صلاۃ کا سبب ہو سکتی ہیں، ترکِ صلاۃ اور تعطیلِ مساجد کا ذریعہ نہیں۔ فطری نظام کے مطابق عشاء مع تراویح ایک گھنٹہ میں ادا کی جا سکتی ہے۔ جب دین اور دنیا کا ٹکراؤ ہو اُس موقع پر دین کو ترجیح دینا ہی اصل دینداری ہے۔ رمضان کی راتوں میں پورے ماہ ایک یا سَوا گھنٹے کی قربانی دینداری کا حصہ ہے۔ کیا معاشی اور سماجی مصروفیات کی وجہ سے اصل طریقہ میں تبدیلی ممکن ہے؟ کیا اِس مصروفیت کی وجہ سے بہ عجلت قرآن پڑھنے کا جواز پیدا کیا جا سکتا ہے، کیا فکرِ معاش لحنِ جلی یا لحن خفی کو گوارا کیے جانے کی بنیاد بن سکتی ہے؟ ہر گز نہیں۔ مزید براں جن علاقوں میں پورے ماہ تراویح کا نظام قائم ہے وہاں اِن مصروفیات کے باوجود لوگ سکون واطمینان سے زندگی گذار رہے ہیں، مسئلہ تو بس ہمارے ایمان کی کمزوری کا ہے اور کچھ بھی نہیں۔

میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ عرض کر رہا ہوں کہ اگر پورے ماہ تراویح کا نظام قائم کیا

جائے تو مساجد کی رونق میں مزید اضافہ ہوگا، مصلیان کی تعداد بڑھے گی اور نمازِ تراویح احساسِ پژمردگی کے بجائے شوق ونشاط کے ساتھ ادا کی جائے گی۔ قرآن کا ادب واحترام، عربی لب ولہجہ کی رعایت اور اصولِ تجوید کا لحاظ ہم سے مطلوب ہے۔ اور ان سے غفلت دنیا وآخرت میں خسارے کا سبب ہے۔

اَربابِ مدارس کی ذمہ داری

شعبۂ حفظ میں جو طلبہ حفظ کی تکمیل کر چکے ہیں یا تکمیل کے مرحلے میں ہیں، انہیں اساتذہ کی نگرانی میں اصولِ تجوید کی رعایت کے ساتھ تراویح میں قرآن سنانے کی مشق اور ٹریننگ دینا بہت ضروری ہے۔ انھیں تیز رفتاری کے ساتھ قرآن پڑھنے کے شرعی نقصانات سے باخبر کیا جائے۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائی جائے کہ یہ کتابِ الٰہی اور کلامِ الٰہی ہے اور کلامِ الٰہی کے آداب کی بجا آوری حفاظ کی بڑی ذمہ داری ہے۔ انھیں سمجھایا جائے کہ قرآن پڑھنا گویا خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرنا ہے۔ کیا کوئی انسان دوسرے انسان سے اِس قدر جلد بازی میں گفتگو گوارا کرتا ہے کہ بات صاف سمجھ میں ہی نہ آئے؟ اور خدا سے ہم کلامی کا بنیادی ادب یہ ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کی جائے اور اصولِ تجوید کی رعایت کی جائے۔ طلبہ کو یہ بھی بتایا جائے کہ تمھیں لوگوں کی اور ذمہ دارانِ مساجد کی نہیں بلکہ رب العالمین کے پاک کلام کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ اگر تمھیں ایسی مساجد نہ ملیں تو نوافل میں قرآن پڑھنے کا نظام بناؤ یا تبلیغی جماعت میں نکل کر تراویح کے اندر قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔

عموماً جو حضرات حفظِ قرآن کے ساتھ قراءت اور فضیلت کی سند لیے ہوئے ہوتے ہیں وہ تراویح کی امامت سے دور ہی رہتے ہیں اور اگر وہ کہیں امامت کا فریضہ انجام دیتے ہیں تو وہاں کی صورتِ حال اچھی ہوتی ہے؛ لیکن جو طلبہ ابھی تازہ تازہ حفظِ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے ہیں وہ تربیتِ تراویح کے فُقدان، علمِ تجوید کے احکام سے ناواقفیت اور جوش وخروش کی وجہ سے تیز رفتاری کو تراویح کا حصہ سمجھتے ہیں۔ بعض جگہوں پر تو تراویح کے لیے تیز پڑھنا باضابطہ سکھایا جاتا ہے جو غلط ہے اور اس پر قابو پانا ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ اپنی تلاوت کی رفتار اور اصولِ تجوید کی رعایت جاننے اور سمجھنے کے لیے کسی عالم دین یا ماہر قاری یا مفتی سے

رابطہ رکھیں اور ان سے اپنی تلاوت کی رفتار کے تعلق سے صحیح رہنمائی حاصل کریں۔ حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کا نمازِ تراویح کے لیے انتخاب ہمیں یہ سب کچھ سکھاتا ہے، جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔

نمازِ تراویح اور عوام کی ذمہ داری

اِس موقع پر بعض عوام اور غیر دیندار؛ بالخصوص غیر عربی داں طبقہ کی طرف سے پُر زور انداز میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ جب ہمیں عربی آتی ہی نہیں ہے تو غور سے قرآن سننا اور نہ سننا دونوں برابر ہے؛ اِس لیے قرآن تیز رفتار پڑھا جائے یا ترتیل وحدر کے ساتھ: ہمیں اِس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بعض حضرات لاعلمی کی وجہ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ تراویح اور تراویح میں قرآن کی قراءت کی شرعی حیثیت سنت کی ہے؛ اِس لیے اِس مسئلہ میں زیادہ تنگی پیدا کرنا، فرض نمازوں کی طرح تراویح میں اصولِ تجوید کی رعایت کو ضروری قرار دینا غیر مناسب ہے۔ لوگوں کی اس طرح کی غلط فہمیوں کے اِزالہ کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس سلسلے میں کچھ تفصیلی معروضات پیش کی جائیں۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بڑی اچھی بات لکھی ہے:

> جس طرح خاندانوں کے شجرے ہوتے ہیں، اسی طرح نیکیوں اور بدیوں کے بھی شجرے ہیں، بعض اوقات ایک نیکی کو ہم معمولی نیکی سمجھتے ہیں؛ حالاں کہ اس نیکی کا تعلق نیکیوں کے اس خاندان سے ہوتا ہے جس سے تمام بڑی نیکیوں کی شاخیں پھوٹی ہیں، اِسی طرح بسا اوقات ایک برائی کو ہم معمولی سمجھتے ہیں؛ لیکن وہ برائیوں کے اس کنبے سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہے جو تمام مہلک بیماریوں کو جنم دینے والا کنبہ ہے، جو شخص دین کی حکمت سمجھنا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خیر وشر کے ان تمام مراحل ومراتب سے اچھی طرح واقف ہو ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ دِق کا پتہ دینے والی بیماری کو نزلے کا پیش خیمہ سمجھ بیٹھے اور نزلے کی آمد کو دِق کا مقدمۃ الجیش قرار دے دے۔(۱)

اِس اصول کی روشنی میں عرض یہ کرنا ہے کہ نمازِ تراویح، اُس میں پڑھا جانے والا قرآن اور اس قرآن کی سماعت: یہ ایسے اعمال ہیں جن کا تعلق نیکیوں کے اُس خاندان سے ہے جس سے

---

(۱) تدبر قرآن، مقدمہ، ج:۱،ص:۲۰، فاران فاؤنڈیشن، لاہور

تمام بڑی نیکیوں کی شاخیں نکلتی ہیں۔ سنن ونوافل اور فرائض کی تقسیم اور فرقِ مراتب یقیناً ایک علمی چیز ہے؛ لیکن عملی طور پر فرائض کے ساتھ سنن ونوافل کی ادائیگی بھی مطلوب ہے۔ نفل نماز ہم اسی لیے تو نہیں پڑھتے کہ ہمارے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ نفل پڑھنا باعث ثواب ہے اور نہ پڑھنا سببِ مواخذہ نہیں ہے؛ یہی بات سنن: (موکدہ اور غیر موکدہ) کے تعلق سے سامنے آتی ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ کے یہاں یہ تقسیم نہیں تھی۔ اگر تراویح اور قراءت وسماعت بہت اہم اور ضروری چیزیں نہ ہوتیں تو صحابہ کا مثالی شوق وذوق سامنے کیوں آتا کہ نمازِ تراویح میں فرضیت کی شان پیدا ہونے کی بات سامنے آگئی۔ اگر یہ نماز غیر اہم مشغلہ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تراویح کا باضابطہ نظام قائم نہیں فرماتے، اکابر امت اِس نماز کا اِس درجہ اہتمام نہ فرماتے۔ نمازِ تراویح کی اہمیت، قراءتِ قرآن اور سماعتِ قرآن کی مصلحت کے تعلق سے شروع میں کافی وضاحت آچکی ہے وہ تحریر دوبارہ پڑھنی چاہیے۔

سنن ونوافل، فرائض میں درآنے والی کمیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کے لیے مشروع ہیں؛ کیوں کہ فرائض کی ادائیگی جس احسانی کیفیت (۱) کے ساتھ مطلوب ہے کوئی فردِ بشر اُس مطلوبہ معیار کے حصول کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ سنن ونوافل کے ذریعہ ایک حد تک اُن کی تلافی ہوسکتی ہے۔ نیز سنن ونوافل کا اہتمام، اہتمامِ فرائض کا موثر ذریعہ ہے۔ آج فرائض میں کمی اور کوتاہی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم سے سنن ونوافل کی ادائیگی متروک ہوگئی۔ رمضان اور غیر رمضان کی پنج وقتہ فرض وواجب نمازوں کی کل تعداد بیس رکعات ہے: لیکن رمضان میں نیکیوں کی کمیت اور کیفیت میں اضافہ مطلوب ہے؛ تاکہ آئندہ پورے سال کی عبادات پر وہ کیفیت وکمیت اثر انداز ہوسکیں اور یہ بات سلف صالحین کے تجربہ سے ثابت ہے کہ جس کا رمضان اچھا گذرتا ہے اُس کا پورا سال اچھا گذرتا ہے۔ رمضان کی فجر تا عشاء: فرض وواجب کی بیس رکعات میں پائی جانے والی کوتاہیاں بلاشبہ غیر رمضان کی کوتاہیوں سے قباحت میں بڑھی ہوئی ہوتی ہیں، اِس بیس رکعات تراویح کے ذریعہ یقیناً اُن کوتاہیوں کا ازالہ بھی ہوجاتا ہے اور **غفر له ما تقدم من ذنبه** (پچھلے تمام چھوٹے

---

(۱) نماز اِس طرح پڑھنا کہ دل میں یہ خیال ہو کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں یا یہ خیال کرنا کہ خدا تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں: اس کیفیت کو احسانی کیفیت کہتے ہیں۔

چھوٹے گناہوں کی معافی) کی فضیلت بھی حاصل ہوجاتی ہے۔اب اگر ہماری تراویح ہی ناقص ہوجائے اور یہ نقص اختیاری طور پر سامنے آئے تو ہم سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والا کون ہوگا؟ دنیا وآخرت دونوں جگہ ہم خالی ہاتھ ہی رہے، وقت بھی ضائع ہوا، جسم بھی تھکا اور دامن اجر وثواب سے خالی رہا یا بھر نہ سکا۔لہٰذا دنیا وآخرت میں سرخ روئی کے لیے سنت کے مطابق نماز تراویح کا حددرجہ اہتمام نہایت ضروری امر ہے، اِسے معمولی نیکی سمجھنا شیطانی وسوسہ ہے، سرکارِ دوعالم ﷺ کا ہر قول وعمل سرمۂ چشم بنانے کے لائق ہے یعنی ادائے سنت ہی ہماری کامیابی کی شاہ کلید ہے اور یہی اتباعِ سنت، محبتِ رسول کا پیمانہ ہے۔

سماعتِ قرآن کی فضیلت اور آداب

قرآن کریم جملہ سعادتوں کا مرکز ومحوَر ہے، قرآن کریم دنیا کی واحد ایسی کتاب ہے جس کی تلاوت اور سماعت بے شمار فوائد کی حامل ہے۔ جو لوگ پیغامِ کتابِ الٰہی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، سعادتوں کے دروازے انھیں کے لیے کھلتے ہیں۔قرآن مجید میں غور وفکر نہ کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت بیان کی ہے، ارشاد ہے: **أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا**.(۱) کیا یہ لوگ قرآن میں غور وخوض نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

قرآن میں غور وفکر، ایمان ویقین کی بلندیوں پر فائز ہونے کی شاہ کلید ہے۔ دنیا میں حکمرانی اور سیادت وقیادت اسی سے مربوط ہے، اس کی تلاوت اگر اجر وثواب کا باعث ہے تو اس کے احکام کا نفاذ عالم میں امن وامان اور نزولِ برکات کا سبب ہے۔اس کتاب سے عملی وابستگی قوموں کو عروج پر پہنچاتی ہے اور اِس سے دوری زوال وپستی کا باعث بنتی ہے۔اب ظاہر ہے کہ عملی وابستگی کے لیے قرآن کریم کا سمجھنا ناگزیر ہے؛ جس کے لیے عربی زبان پر عبور حاصل ہونا ضروری ہے۔تاہم عربی سے ناواقف حضرات کے لیے ہر زبان میں قرآن کے ترجمے اور مناسب تفاسیر موجود ہیں، اُن کے ذریعہ بھی زندگی میں اِنقلاب لایا جاسکتا ہے۔اِس کے لیے قرآن کی تلاوت کے ساتھ قرآن کی سماعت بھی ضروری ہے۔اِسلام نے تین نمازوں میں جہری قراءت کا حکم فرمایا اور مقتدی حضرات کے لیے سماعت کو ضروری قرار دیا؛ تاکہ روزانہ آیاتِ قرآنیہ کے پیغامات کو قلب

---

(۱) سورہ محمد:۲۴

وذہن میں اتارا جائے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ خود صاحبِ قرآن ہونے کے باوجود کبھی کبھی صحابہ سے قرآن سنا کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: (ایک دن) رسولِ کریم ﷺ نے اس وقت جبکہ آپ علیہ السلام منبر پر تشریف فرما تھے مجھ سے فرمایا: میرے سامنے قرآن کریم پڑھو! میں نے عرض کیا: آپ کے سامنے قرآن پڑھوں؛ حالاں کہ قرآن کریم آپ پر اتارا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں اسے پسند کرتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی دوسرے سے قرآن سنوں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی، جب میں اس آیت پر پہنچا (فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا) آپ نے فرمایا: بس رک جاؤ، میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھیں اَشکبار ہیں۔ (۱)

فائدہ: دوسرے سے قرآن سننے میں بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کے مفہوم ومعانی خوب اچھی طرح سمجھ میں آتے ہیں۔ غور وفکر اور محویت کمال درجہ کی حاصل ہوتی ہے۔

نمازِ تراویح میں ایک مرتبہ مکمل قرآن کریم کی تلاوت اور سماعت، مسلمانوں کے لیے تدبرِ قرآن کا سنہرا اور بڑا موقع ہے؛ چوں کہ نماز میں قرآن کی قراءت کو افضل قرار دیا گیا ہے؛ اِس لیے تراویح کا نظام اِس کے لیے سب سے اچھا اور موثر موقع ہے۔ نمازِ تراویح کے ذریعہ دربارِ الٰہی کی حاضری کے ساتھ کتابِ الٰہی میں غور وفکر کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے؛ اِس لیے نمازِ تراویح میں قراءت وسماعت کے تعلق سے حفاظ اور مقتدی حضرات دونوں کو بیدار مغز رہنا ضروری ہے۔ انتہائی خشوع وخضوع اور ادب کے ساتھ حاضر باش ہونا ناگزیر ہے۔ قرآن کریم اہل ایمان کی علمی، فکری، معاشی، سیاسی اور معاشرتی ہدایات کا مجموعہ ہے۔ رمضان کی راتوں میں قرآن کریم کی قراءت وسماعت اسی مقصد کے لیے ہونی چاہیے۔ نمازِ تراویح میں قرآن کی قراءت وسماعت، قرآن سے اُنسیت کا ایک مُجرَّب اور نایاب نسخہ ہے؛ اِس لیے اِس کو اسی جذبہ سے سننا لازم ہے۔ عمل کر کے دیکھیے یقیناً زندگی میں انقلاب محسوس کریں گے اور یہ سارے مقاصد اسی وقت حاصل ہوں گے۔

(۱) مشکوۃ ج:۱، ص:۱۹۰، مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند

محض الفاظِ قرآن کی تلاوت وسماعت بھی مطلوب ہے

قرآن کریم کے ظاہری حروف اور نقوش اور باطنی معانی ومطالب دونوں میں سے ہر ایک کی مستقل اہمیت ہے، ایک کی وجہ سے دوسرے پہلو کی طرف سے بے توجہی نہیں کی جاسکتی۔ جو لوگ الفاظِ قرآن کے پڑھنے اور سننے کو بے فائدہ سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، نماز خواہ پنج وقتہ ہو یا نمازِ تراویح: دونوں میں تلاوتِ قرآن کی جانب کان لگانا اور سننا واجب ہے؛ کیوں کہ نماز وہ جگہ ہے جہاں قرآن کو سنانے ہی کے لیے پڑھا جاتا ہے، اور یہ سننا اور پڑھنا رحمت وبرکت کے نزول کا سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک بغور سننے کی کچھ یوں تاکید فرمائی ہے کہ:

وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ.(۱)

جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو؛ تاکہ تم پر رحم ہو(۲)

مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں:

> اصل مضمون آیت کا یہ ہے کہ قرآن کریم جن لوگوں کے لیے رحمت قرار دیا گیا اس کی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن کے ادب واحترام کو پہچانیں اور اُس پر عمل کریں اور بڑا ادب قرآن کا یہ ہے کہ جب وہ پڑھا جائے تو سننے والے اپنے کان اُس پر لگائیں اور خاموش رہیں، کان لگانے میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو سنیں اور یہ بھی کہ اس کے احکام پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں (مظہری وقرطبی) آخر آیت میں **لعلکم ترحمون** فرما کر اس طرف اشارہ کردیا کہ قرآن کا رحمت ہونا اس کے مذکورہ آداب بجالانے پر موقوف ہے۔
>
> اس کے بالمقابل یہ خود ظاہر ہے کہ اگر کسی نے اس کی خلاف ورزی کرکے قرآن کی بے حرمتی کی تو وہ رحمت کے بجائے قہر وغضب کا مستحق ہوگا......(۳)

---

(۱) الاعراف:۲۰۴

(۲) اس آیت کے شانِ نزول میں روایات مختلف ہیں کہ یہ حکم نماز کی قراءت کے بارے میں آیا ہے یا خطبہ کے یا مطلقا قراءتِ قرآن کے خواہ نماز یا خطبہ میں ہو یا دوسرے حالات میں؛ لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جس طرح الفاظ آیت کے عام ہیں اسی طرح اس کا حکم بھی سب حالات کے لیے عام ہے بجز خاص استثنائی مواقع کے۔

(۳) معارف القرآن ج:۴ص:۱۶۲، مکتبہ معارف القرآن/کراچی

سرکار دو عالم ﷺ کو الفاظِ قرآن کا اِس قدر اہتمام تھا کہ جب وحی نازل ہوتی تو آپ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے؛ حالاں کہ حضور ﷺ کا حافظہ بہت قوی تھا؛ بلکہ سارے ہی قُویٰ مضبوط تھے؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ آپ ساتھ ساتھ پڑھنے کی مشقت برداشت نہ کریں، لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ (۱) جب حضور ﷺ کو الفاظِ قرآن کا اس درجہ اہتمام تھا تو ہمیں بھی ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔ نیز تلاوتِ قرآن اور سماعتِ قرآن کے مستقل فضائل وارد ہیں، اِس کی وجہ سے کل قیامت میں بے شمار اجر وثواب سے نوازا جائے گا۔

حضرت تھانویؒ کے اِفادات

قرآن مہمل نہیں، نہایت فصیح و بلیغ، عجیب وغریب شیریں زبان ہے، جو لوگ سمجھتے ہیں وہ تو اس کی فصاحت و بلاغت اور شیرینی کو سمجھتے ہیں؛ مگر جو نہیں سمجھتے ان کو بھی اس میں بہت مزہ آتا ہے، تجربہ کرکے دیکھ لو۔ اور جو لوگ تلاوت قرآن کے عادی ہیں وہ اس کا خوب تجربہ کیے ہوئے ہیں، اور اگر کسی وقت کوئی خوش الحان قاری مل جائے تو ذرا اس سے قرآن سن کر دیکھ لو کہ بدون معنی سمجھے تم کو مزہ آتا ہے یا نہیں۔ واللہ بعض دفعہ نہ سمجھنے والوں کو بھی ایسا مزہ آتا ہے کہ دل پھٹ جاتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن پڑھنا گویا اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا ہے۔ پھر حیرت ہے کہ آپ عاشق ہو کر اپنے محبوب سے باتیں کرنا نہیں چاہتے؛ حالاں کہ محبت وہ چیز ہے کہ عاشق طرح طرح سے اس کے بہانے ڈھونڈا کرتا ہے کہ محبوب سے باتیں کرنے کا موقع ملے۔ یہ دولت مسلمانوں کو گھر بیٹھے ہر وقت نصیب ہے کہ وہ جب چاہیں اللہ تعالیٰ سے باتیں کرلیں یعنی قرآن کی تلاوت کرنے لگیں، پھر حیرت ہے کہ قرآن کے بدون سمجھے پڑھنے کو بے فائدہ بتلایا جاوے، کیا یہ فائدہ کچھ کم ہے؟......

صاحبو! اس سے بڑھ کر الفاظِ قرآن کا نفع اور کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے کی قراءت کی طرف بہت توجہ فرماتے ہیں اور نہایت توجہ سے سنتے ہیں...... حضور ﷺ نے ہم کو خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ قرآن پڑھنے والے پر بہت متوجہ ہوتے ہیں اور نہایت توجہ سے اس کی قراءت

---

(۱) (اے پیغمبر!) تم اس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو ہلایا نہ کرو۔ القیامہ:۱۶

سنتے ہیں۔اس سے بھی الفاظ کا مقصود ہونا ظاہر ہے؛ کیوں کہ قراءت اور استماع (سننا) الفاظ ہی کے متعلق ہے؛ نہ کہ معانی کے۔اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پڑھتے ہوئے اس امر کا استحضار کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ ہمارا قرآن پڑھنا سن رہے ہیں۔اِس مراقبہ (متوجہ ہونے) کا اثر یہ ہوگا کہ نہایت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ صحت کا لحاظ کرکے قراءت کی جائے گی اور بے پرواہی کے ساتھ نہ پڑھا جائے گا......جیسے کھانا کھانے سے مقصود قوت ہے مگر کھانے کے وقت لذت پر نظر ہوتی ہے،صورت پر بھی نظر ہوتی ہے کہ روٹی جلی ہوئی سیاہ نہ ہو،سالن میں نمک مرچ بہت تیز یا کم نہ ہو،اس وقت کوئی یہ نہیں کہتا کہ مقصود تو قوت ہے؛ لہٰذا صورت اور لذت پر نظر کرنا بے فائدہ ہے۔ افسوس دنیا کی چیزوں میں تو صورت اور لذت پر نظر ہو اور قرآن میں یہ امور بے فائدہ ہو جائیں، حیرت ہے!! اور تلاوتِ قرآن میں لذت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ تلاوت کے وقت معانی پر توجہ نہ ہو صرف الفاظ ہی پر توجہ ہو......

لوگ اس میں کلام کرتے ہیں کہ تجوید کی ضرورت کس دلیل سے ہے؟

اس کا جواب فقہ وحدیث سے تو ہے ہی،جن میں اس کے وجوب واستحباب کے دلائل پوری تفصیل سے مذکور ہیں،مگر میں اس کا جواب ایک نئے طریقہ سے دیتا ہوں (اور) وہ یہ کہ ہماری زبان میں ’’جھاڑو‘‘ کے اندر ’’ھا‘‘ کا اِخفاء ہے اب اگر کوئی شخص جھاڑو (ھا کے اوپر زبر پڑھے) تو اہل زبان اس شخص کو بے وقوف بنائیں گے......ایسے ہی پنکھا،گنگا،سنگ،زنگ وغیرہ میں نون کو اِخفا سے ادا کیا جاتا ہے،اگر کوئی شخص نون کو ظاہر کرکے پڑھے یعنی پن کھا،گن گا اور سن گ اور زن گ تو (سب) اس کو احمق کہیں گے،اسی طرح عربی میں خاص طریقہ ہے......مگر میں سختی کے ساتھ کہتا ہوں کہ شرعاً ’’علم قراءت‘‘ کی تحصیل ضروری ہے؛ پس اس کو اعتقاداً تو ضرور ہی واجب سمجھو۔(۱)

فائدہ: حضرت تھانویؒ کی یہ تقریر اصلاً تلاوتِ قرآن کی اہمیت وفضیلت سے متعلق ہے؛ لیکن اس کی روشنی میں تراویح کی تلاوت وسماعت کی حیثیت واہمیت کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

---

(۱) ماخوذ از: الفاظ القرآن بحذفٍ واضافةٍ، یہ کتابچہ اب ’’اشرف الجواب‘‘ کا حصہ ہے،الفاظِ قرآن کی اہمیت جاننے کے لیے پورے کتابچہ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

نذرانہ کی شرعی حیثیت

ہندوستان میں سرمایہ ملت کے نگہبان دارالعلوم دیوبند کا دوٹوک اور صاف لفظوں میں فتوی یہ ہے کہ(۱)''معاوضہ علی التراویح''یعنی تراویح پر اجرت لینا ناجائز ہے، چاہے اجرت کو ختم قرآن کا مقابل قرار دیا جائے یا امامتِ تراویح کا؛ اِس لیے کہ ضرورت کی بناء پر حضرات فقہاء کرام نے جن عبادتوں پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے وہ اجازت ان عبادتوں ہی میں منحصر ہے۔ان پر قیاس کرتے ہوئے کسی اور عبادت مثلاً تراویح، جنازہ اور عیدین وغیرہ پر اجرت کو جائز قرار دینا شرعاً درست نہیں ہے۔جس امامت پر احناف کے فقہائے متاخرین نے اجرت لینے کی اجازت دی ہے، اس سے مراد محض پنج وقتہ فرض نمازوں کی امامت ہے۔اجرت علی التراویح کا عدمِ جواز ایک متفق علیہ مسئلہ ہے، تقریباً تمام ہی فقہائے احناف اور اکابرِ امت اس کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں، لیکن عملی اعتبار سے اِس متفق علیہ مسئلہ کو نہ صرف یہ کہ مختلف فیہ بنا دیا گیا ہے؛ بلکہ کھلے عام تراویح پر لین دین، اجرت، معاوضہ اور نذرانے کی رقم کو جائز سمجھا جا رہا ہے۔قائلین جواز کے پاس اس بارے میں کوئی واضح شرعی دلیل نہیں ہے۔اگر دلیل ہے تو بس یہ کہ حفاظ اتنی محنت کرتے ہیں، وہ کہاں سے کھائیں گے اور ان کی عید کیسے ہوگی؟ حالاں کہ یہ کوئی شرعی دلیل نہیں۔

بہت سے پڑھے لکھے اور علماء طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی زبان سے یہ سننے کو ملتا ہے کہ فلاں مولانا صاحب نے نذرانہ کو جائز قرار دیا ہے؛ اِس لیے یہ جائز ہے۔غور کرنے والی بات یہ ہے کہ ہر معاملہ میں جو طبقہ دارالعلوم دیوبند کا فتوی مانگتا ہے اور پیش کرتا ہے، اسی طبقہ کے سامنے جب نفس کی مرغوب چیز''روپے''کی بات آتی ہے تو دارالعلوم دیوبند اور اکابرِ دارالعلوم دیوبند اور مفتیانِ دارالعلوم دیوبند کی تحقیق ثانوی درجہ میں ہو جاتی ہے اور کسی مخصوص علاقے کے مخصوص علماء کی رائے قابل عمل اور قابل تقلید ہو جاتی ہے؛ لہٰذا اِس صورت حال کو بدلنے کی ضرورت ہے۔نیز فرد اور جمہور کی رائے میں اختلاف ہو تو جمہور کی رائے اختیار کرنا مناسب اور محتاط ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: معاوضہ علی التراویح کی شرعی حیثیت: مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی/مفتی دارالعلوم دیوبند اور انوار رحمت، مفتی شبیر احمد قاسمی

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ پڑھنے کے قابل ہے:

> تراویح پر اجرت لینے والے کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ اگر کوئی حافظ بغیر اجرت کے پڑھانے پر راضی نہ ہو تو الم ترکیف سے تراویح پڑھی جائے یا چند مختصر سورتوں سے تراویح کی نماز ادا کرلی جائے......(۱)

شبہات کا اِزالہ

(۱) کچھ ائمہ اور علماء کہتے ہیں کہ اگر تراویح کی اجرت اور نذرانہ کو جائز قرار نہ دیا جائے تو مساجد کی رونق ختم ہوجائے گی، اور کچھ دنوں کے بعد تدریجاً حفاظ کی تعداد میں کمی آجائے گی، رمضان کا اہم رکن، ''قیام لیل'' کمزور پڑ جائے گا اور اِس طرح تراویح کی جماعت بند ہوجائے گی؟ ان کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ یہ اعتراضات ایمان میں کمی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ آج بھی بے شمار حفاظ ایسے ہیں جو بلا معاوضہ تراویح سناتے ہیں اور ماشاءاللہ ایسے علاقوں میں حفاظ کی تعداد بڑھ ہی رہی ہے۔ قرآن کی حفاظت اور رمضان میں مساجد کی رونق کیا کرایہ اور چندہ کے پیسوں پر ٹکی ہوئی ہے، کیا ان پیسوں کے بغیر رونق اِسلام ماند پڑ جائے گی۔ مان لیجیے پیسوں کے بغیر حفاظ قرآن سنانے کے لیے تیار نہ ہوں تو کیا ہم سے باز پرس ہوگی؟ علماء نے حفاظ اور عوام کو صحیح مسئلہ بتانا بند کردیا ہے؛ اِس لیے یہ حالات پیدا ہوئے ہیں، اور دلائل کے اعتبار سے جو مسئلہ ''حق'' اور ''صحیح'' ہے اس پر عمل متروک ہوگیا۔

(۲) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حفاظ کو نذرانہ اِس لیے دیا جاتا ہے؛ کیوں کہ وہ اپنا قیمتی وقت دیتے ہیں اور وہ حَبسِ وقت کی تاویل کے ذریعہ تراویح کی اجرت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ غلط فہمی کی بنیاد پر ہے ورنہ تو جن عبادات پر فقہاء نے اجرت کو جائز قرار دیا ہے اُس کی اصل وجہ ضیاعِ دین کا اندیشہ ہے، حبسِ وقت جواز کی وجہ نہیں ہے؛ اِس لیے کہ اگر حبسِ وقت کو اجرت کے جواز کی وجہ قرار دیا جائے گا تو اس وقت ہر طاعت پر اجرت لینا جائز ہوجائے گا؛ کیوں کہ یہ وجہ ہر طاعت میں متحقق ہوگی پھر تو جنازہ، عیدین وغیرہ پر بھی اجرت لینا درست ہوجائے گا۔

---

(۱) دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: ۴۶۹۰۸

(۳) بعض لوگوں کو یہ شبہ بھی ہوتا ہے کہ جب علماء جلسوں میں تقریر پر پیسے لے سکتے ہیں تو حفاظ کیوں نہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ تقریر و وعظ پر جو اِکرامیہ (رقم) دیا جاتا ہے وہ تعلیمِ قرآن کی ایک شکل ہے جس پر اجرت لینا متاخرین کے نزدیک جائز ہے، نیز خطابت دین کی حفاظت کا نہایت موثر ذریعہ ہے؛ جبکہ تراویح میں قرآن سنانے پر دین کی حفاظت موقوف نہیں؛ لہٰذا تراویح کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔(۱)

(۴) بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہم نذرانہ پہلے سے طے نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ چندہ میں جتنی رقم جمع ہوتی ہے، حافظ صاحب کی خدمت میں پیش کردیتے ہیں، وہ اجرت نہیں ہے؛ بلکہ ہدیہ اور تحفہ ہے۔ اِس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ جو چیزیں مشہور و معروف ہوتی ہیں، فقہاء کے نزدیک وہ مشروط کے درجہ میں ہوتی ہیں ۔حفاظ اور کمیٹی کے ذہنوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ ختم قرآن کے دن چندہ کرکے حافظ صاحب کو پیش کرنا ہے، اب یہ بات اتنی مشہور ہے کہ اگر اتفاق سے چندہ نہ کیا جائے تو یہ ایک مستقل موضوعِ بحث بن جائے گا، لوگ پوچھنے لگیں گے کہ کیا ہوا، کچھ دیا نہیں گیا، ایسا کیوں ہوا وغیرہ وغیرہ؟۔

(۵) بعض حضرات کہتے ہیں: آخر حافظ صاحب کو دینے میں حرج ہی کیا ہے، ہم خوشی سے دے رہے ہیں، حافظ صاحب بغیر مطالبہ کے لے رہے ہیں؛ پس جیسے عام دنوں میں لینا دینا جائز ہے، تراویح میں ختم قرآن کے بعد بھی جائز ہونا چاہیے؟ ان کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ مسئلہ حرج یا مشقت کا نہیں ہے، بات خوشی اور ناراضگی کی نہیں ہے، قضیہ دوستی یا دشمنی کا نہیں ہے،

(۱) فقد اتفقت النقول عن أئمتنا: أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى: أن الاستيجار على الطاعات باطل؛ لكن جاء من بعدهم من المجتهدين الذين هم أهل التخريج والترجيح، فأفتوا بصحته على تعليم القرآن للضرورة؛ فإنه كان للمعلمين عطايا من بيت المال، وانقطعت، فلو لم يصح الاستيجار وأخذ الأجرة، لضاع القرآن، وفيه ضياع الدين لاحتياج المعلمين إلى الاكتساب وأفتى من بعدهم أيضا من أمثالهم بصحته على الأذان والإمامة...... وقد أطبقت المتون والشروح والفتاوى على نقلهم بطلان الاستيجار على الطاعات إلا فيما ذكر، وعللوا ذلك بالضرورة وهي خوف ضياع الدين وصرحوا بذلك التعليل، فكيف يصح أن يقال: إن مذهب المتأخرين صحة الاستيجار على التلاوة المجردة مع عدم الضرورة المذكورة......

(رسم المفتی ص: ۳۷ تا ۳۸، مکتبہ سعیدیہ، نزد مظاہر علوم، سہارنپور)

اصل چیز ''شریعت کا حکم'' ہے۔ کیا خوشی سے کوئی غیر شرعی کام کریں تو یہ جائز کہلائے گا؟ کیا ہماری خوشی اور رضا مندی کسی ناجائز کو سند جواز دینے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ غور کرنے کی چیز ہے۔

(۶) بعض لوگ کہتے ہیں: حافظ صاحب کی خدمت ہماری ذمہ داری ہے؛ اِس لیے معاوضہ مقصود نہیں ہوتا، خدمت مقصود ہوتی ہے، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (م: ۱۴۲۲ھ) لکھتے ہیں:

> ایسے حیلہ بازوں کی نیت معلوم کرنے کے لیے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ امتحان رکھا ہے کہ اگر قاری اور سامع کو کچھ بھی نہ ملے تو وہ آئندہ بھی اس مسجد میں خدمت کے لیے آمادہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور اہل مسجد کا امتحان یہ ہے کہ اگر یہ قاری اور سامع ان کی مسجد میں نہ آئیں تو بھی یہ لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں یا نہیں؟ اب دورِ حاضر کے لوگوں کو اس کسوٹی پر لائیے، قاری اور سامع کو اگر کسی مسجد سے کچھ نہ ملا تو آئندہ وہ اس مسجد کی طرف رخ بھی نہیں کریں گے اور اہل مسجد کا یہ حال ہے کہ جس قاری یا سامع نے ان کی مسجد میں کام نہیں کیا وہ خواہ کتنا ہی محتاج ہو ان کو اس کی زبوں حالی پر قطعاً کوئی رحم نہیں آتا، اس سے ثابت ہوا کہ جانبین کی نیت معاوضہ کی ہے اور للّٰہیت کے دعوے میں جھوٹے ہیں......(۱)

(۷) مدارس میں زیرِ تعلیم طلبہ کی ایک بڑی تعداد رمضان میں تراویح کی امامت کا فریضہ انجام دیتی ہے، ان میں بہت سے طلبہ معاشی اعتبار سے پریشان ہوتے ہیں اور گھر میں اتنی وسعت نہیں ہوتی کہ گھر والے ان کی پڑھائی کے اخراجات برداشت کرسکیں؛ اِس لیے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایسے طلبہ کے لیے نذرانہ لینا درست ہے؛ لیکن فقہاء نے اس کی سَندِ جواز نہیں دی ہے۔ دین کے حصول کی سعی کے لیے غیر شرعی امر کا ارتکاب کیوں کر درست ہوسکتا ہے۔ ایسے طلبہ کی اگر مدد ہی کرنی ہے تو لوگ کسی اور عنوان سے مدد کر سکتے ہیں۔

تنبیہ: بریلوی مکتبِ فکر کے لوگ اِس معاملہ میں حد سے آگے بڑھے ہوئے ہیں؛ حالاں کہ بریلوی مکتبِ فکر میں بھی اِس کے عدمِ جواز کی صراحت ہے، مفتی امجد علی صاحب قادری اعظمی لکھتے ہیں:

> آج کل اکثر رواج ہوگیا ہے کہ حافظ قرآن کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے

---

(۱) احسن الفتاویٰ ج:۳ ص:۵۱۵، مکتبہ دار الاشاعت، دیوبند

ہیں یہ ناجائز ہے: دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہیں، اجرت صرف یہی نہیں
کہ پیشتر مقرر کرلیں کہ یہ لیں گے، یہ دیں گے؛ بلکہ اگر معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا
ہے اگر چہ اس سے طے نہ ہوا، یہ بھی ناجائز ہے؛ کیوں کہ المعروف کالمشروط۔
ہاں اگر کہہ دیں کہ کچھ نہیں دوں گا یا نہیں لوں گا پھر پڑھے اور حافظ صاحب کی
خدمت کریں تو اس میں حرج نہیں ہے کہ **الصریح یفوق الدلالة.** (۱)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تمام متقدمین اور متاخرین اور تمام مستند اکابر اہل فتویٰ کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ تراویح میں ختم قرآن پر کچھ لینا اور دینا دونوں حرام اور گناہ عظیم ہیں۔ اور جن بعض علماء نے اِس کی اجازت دی ہے وہ ان کے تفردات میں۔ اور جمہور علماء کے اقوال کے مقابلہ میں شاذ قول پر عمل نہیں کیا جاتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل

ابو اسحاقؒ فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تراویح پڑھائی، جب عید کا دن آیا تو ان کی خدمت میں عبد اللہ بن زیاد نے ایک جوڑا اور پانچ سو درہم پیش کیے تو آپ نے ان کو لوٹا دیا اور فرمایا: **إنا لا نأخذ علی القرآن أجراً** یعنی ہم قرآن کریم پڑھنے پر کوئی اجرت نہیں لیا کرتے ہیں۔

اسی طرح حضرت عمرو بن نعمان بن مقرن کی خدمت میں مصعب ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے تراویح میں قرآن سنانے پر دو ہزار درہم پیش کیے، آپ نے ان کو قبول نہیں فرمایا؛ بلکہ فرمایا: **واللہ ما قرأنا نرید به الدنیا ورده علیه** یعنی ہم قرآن کو دنیا کمانے کے لیے نہیں پڑھتے ہیں۔ (۲)

قرآن وحدیث کے عمومی اشارے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلاَ تَشْتَرُواْ بِآيَاتِي ثَمَناً قَلِيلاً** (۳)

اِس آیت کی تفسیر میں ابن کثیرؒ نے لکھا ہے: **قال أبو العالية: لا تأخذوا عليه أجراً** (۴) یعنی ابو العالیہؒ کے بقول اِس آیت کا مطلب ہے: قرآن پر اجرت مت لینا۔

---

(۱) بہار شریعت ج:۴ ص:۳۵ ع قادری بکڈپو (۲) مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۷۸۲۰-۷۸۲۱ مکتبۃ المجلس العلمی، بیروت
(۳) البقرۃ: ۴۱ (۴) ابن کثیر ج: ۱ ص: ۲۲۲، ط: زکریا دیوبند

سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے:

(الف) جس نے قرآن اِس لیے پڑھا کہ اس کے ذریعہ لوگوں سے کمائے یعنی قرآن کریم کو دنیاوی فائدہ کے لیے وسیلہ بنائے تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں اٹھ کر آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی ہوگا اس پر گوشت نہیں ہوگا۔(۱)

(ب) قرآن پڑھو؛ لیکن اسے کھانے کمانے کا ذریعہ نہ بناؤ اور نہ زیادہ مال جمع کرنے کا وسیلہ بناؤ۔(۲)

(ج) حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنھوں نے تراویح کا باضابطہ نظام قائم فرمایا ہے، ان کا ارشاد ہے: قرآن پڑھو اور تم اللہ سے مانگا کرو قبل اس کے کہ لوگ قرآن پڑھیں اور لوگوں سے مانگیں۔(۳)

حفاظِ کرام کی خدمت میں……

اِس مختصر تحریر میں صحابہ کرامؓ کے فرمودات، ان کا طرزِ عمل، ان کا فہم، اکابرِ امت اور فقہائے دین متین کی تصریحات اور فتاویٰ آپ کے سامنے آچکے، ان کی روشنی میں ایک مُنصِف مزاج اور دین دار شخص دین کی روح اور اصل مسئلہ جاننا اور سمجھنا چاہے تو اس میں کوئی امر مانع اور مخفی نہیں ہے۔ اِس سلسلہ میں حفاظِ کرام کو خود آگے آنا پڑے گا، انھیں سختی سے اجرت اور نذرانہ کی رقم کو ٹھکرانا پڑے گا؛ نتیجتاً عوام میں بیداری خود بخود پیدا ہوجائے گی۔ اِس عنوان سے علماء اور مفتیان کرام کو منبر ومحراب کے ذریعہ صدائے حق بلند کرنی پڑے گی۔ حفظ کے مدارس کے اساتذہ ابتداء ہی میں اپنے طلبہ کو نصیحت؛ بلکہ وصیت فرمائیں کہ دیکھو تم اللہ تعالیٰ کا پاک کلام اپنے سینوں میں محفوظ کررہے ہو، اس پاک کلام کے بدلے میں کوئی نذرانہ، معاوضہ اور اجرت وغیرہ ہرگز قبول نہ کرنا۔

حفاظ کے لیے یہ بات قابلِ غور؛ بلکہ بہت سنگین اور خطرناک ہے کہ تراویح کی اجرت لینے والے حفاظ کے پیچھے نمازِ تراویح مکروہ تحریمی ہے۔ اِس ارتکابِ کراہتِ تحریمی کا وبال ہمارے

(۱) مشکوۃ ج:۱، ص:۱۹۳، مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، رقم:۷۸۲۵، مکتبہ المجلس العلمی، بیروت

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ، رقم:۷۸۲۶، مکتبہ المجلس العلمی، بیروت

سر ہوگا، کل قیامت کے روز ہم کیا جواب دیں گے۔ نماز کا مسئلہ بڑا حساس مسئلہ ہے، روایات میں ہے کہ کل قیامت کے روز اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب وکتاب ہوگا، اگر نماز اچھی اور درست ثابت ہوئی تو سارے اعمال درست ہوں گے ورنہ سارے اعمال قابلِ گرفت ہوں گے۔ روایات میں ''الصلاۃ'' کا لفظ ظاہر ہے اصلاً پنج وقتہ اور فرائض کے بارے میں ہے؛ لیکن ثانوی درجہ میں الصلاۃ کا مصداق نمازِ تراویح بھی ہوسکتی ہے، اب **الإمام ضامن** (امام ذمہ دار ہوتا ہے) کے پیشِ نظر اجرت علی التراویح کی وجہ سے نمازِ تراویح کے مکروہِ تحریمی کا حساب سب کی طرف سے ہم حفاظ کو دینا پڑے گا۔ اللہ ہمیں عقلِ سلیم عطا فرمائیں۔

آپ یقین مانیے اگر آپ نے قرآن کا کچھ معاوضہ نہیں لیا، اور **إن أجری إلا علی الله** (میرا اجر صرف اللہ کے ذمہ ہے) کو پیشِ نظر رکھا تو رب العالمین آپ کو مفلسی اور فقیری میں کبھی مبتلا نہیں فرمائیں گے۔ جو خدا تعالیٰ گنہ گاروں کو رزق عطا فرماتے ہیں وہ اپنے پاک کلام کی حفاظت وتلاوت کرنے والے کو محروم رکھیں گے؟ یہ بات شرعی اور عقلی: دونوں اعتبار سے ناممکن ہے۔ اور اگر بہ ظاہر تنگی اور غربت محسوس ہو تو صبر کرنا ہمارا ایمانی فریضہ ہے۔ اِس تنگی وغربت کا بدلہ کل قیامت کے روز اجر وثواب کی شکل میں ظاہر ہوگا ان شاء اللہ۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ گزارشات لکھنا آسان ہے، جو پریشان ہے اُس پر کیا گذرتی ہے وہی جانتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے الفاظ ومعانی یاد کرنے والے خواہ حافظ ہوں یا عالم، مفتی ہوں یا قاضی، بہرحال ان کے لیے اس دنیا میں راحت وآرام کم، مصائب وتکالیف زیادہ مقدر ہیں؛ کیوں کہ یہی انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء پر دنیا میں ہی کیسے آلام ومصائب پیش آئے ہیں، ہم ان کی سنگینی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے دنیا کمانے سے منع نہیں کیا ہے؛ لیکن یہ ضرور فرمایا ہے کہ دنیا شریعت کی راہ پر چلتے ہوئے اور آخرت کے مقصد سے کماؤ۔ اجرت علی التراویح کے علاوہ روزی روٹی کے جائز طریقے اپنانا درست ہے، اللہ اس میں خوب برکت عطا فرمائیں گے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کی یہ دعا ہمیشہ وردِ زبان ہونی چاہیے **أَللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِيناً وَأَمِتْنِي مِسْكِيناً وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ** اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھیے، مسکینی میں ہی وفات دیجیے اور روزِ محشر مساکین کے ساتھ ہی ہمارا حشر فرمائیے! لیجیے! دنیا کی غربت ومسکنت کل قیامت میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی مَعِیّت ومُصاحَبت کا سبب ہے۔ دنیا

کے بجائے آخرت پر نظر رکھیں، مادیت کے بجائے روحانیت کو پیشِ نظر رکھیں تو مسئلہ خود بخود حل ہوتا دکھائی دے گا، زندگی سکون سے گزرے گی، زندگی کا معیار، صحابہ کے معیارِ زندگی کے موافق کریں، دنیا کو ضرورت کی تکمیل کی جگہ سمجھیں، دنیا خواہشات کی تکمیل کی جگہ نہیں ہے، ضرورت وخواہش کا فرق نہ سمجھنا ہی ہماری ساری پریشانیوں کا سبب ہے۔

آیئے عہد کریں کہ ہم حفاظِ کرام تراویح کی اجرت، نذرانہ، معاوضہ اور اِس نام پر ہر قسم کی مالی امداد لینے سے مکمل گریز کریں گے۔ اِس اِستغناء اور توکُّل علی اللہ سے جو دینی ودنیوی برکات نصیب ہوں گی ان کے مقابلہ میں ختم قرآن پر دیا جانے والا گراں قدر ہدیہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم ان شاء اللہ دنیا وآخرت دونوں جگہوں پر سرخ رو ہوں گے، اللہ ہمیں اِس کی توفیق دے اور غلط ماحول کو اِسلامی ماحول بنانے کی طاقت اور حوصلہ عطا فرمائے، واللہ ھوالموفق۔

عوام کی خدمت میں......

نماز باجماعت ضروری ہے، تراویح کی امامت بھی ضروری ہے؛ لیکن امام کون ہوگا شریعت نے متعین نہیں کیا ہے۔ مساجد کے ائمہ، موذنین اور تراویح پڑھانے والے حفاظ اسلامی معاشرہ کے وہ افراد ہیں، جن کے بغیر ہمارا اسلامی تشخُّص باقی نہیں رہ سکتا۔ یہ افراد مساجد کی روح ہیں۔ سردی، گرمی اور برسات ہر موسم میں اذان وامامت کا فریضہ انجام دیتے ہیں، اگر یہ لوگ اذان دینا اور نماز پڑھانا چھوڑ دیں تو محلے کے سارے افراد گنہ گار ہوں گے۔ ان کی موذنی اور امامت نے محلے کے سارے افراد کو معاشی آزادی دے رکھی ہے۔ چنانچہ آپ ہی کی آزادی اور بے فکری کے لیے وہ لوگ مستقل معاشی سرگرمی اختیار نہیں کرسکتے۔ یہ حفاظ وائمہ اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں، قوم کی ذمہ داری ہے کہ وہ تاحیات ائمہ وموذنین کی قدر کریں، ان کی سماجی اور معاشرتی پریشانیوں کے اِزالہ کی فکر کریں، ان کے پاس گھر نہ ہو تو گھر کی تعمیر کے بارے میں اجتماعی کوشش کریں۔ صرف ختم تراویح کے موقع پر سو پچاس دینے سے یہ ذمہ داری ادا نہیں ہوتی۔ ائمہ وموذنین قوم کے چندے کے محتاج نہیں ہیں؛ بلکہ وہ آپ کے مخلصانہ تعاون کے حق دار ہیں۔ آپ کے مال میں ان کا بھی حق ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں مسجد کے فنڈ سے جو تنخواہ انھیں دی جاتی ہے بس وہ کافی ہے، یہ غلط سوچ ہے۔ اگر ہم ائمہ وموذنین کے لیے ہر ماہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ انفرادی یا اجتماعی طور پر

مقرر کردیں تو معاشرہ میں انھیں اچھی نگاہ سے دیکھا جائے گا، وہ بھی خوش حال زندگی گذاریں گے۔ ہمارے ہی طرزِ عمل نے ان مقدس افراد کو معاشرے میں 'محتاج'' بنا کر رکھ دیا ہے۔ یاد رکھیں امامت وموذنی پیشہ اور تجارت نہیں ہے، یہ ایک دینی عہدہ، ایک مذہبی میراث اور ایک قومی و مِلی ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ یہ حضرات ایک اسلامی مشن کے علَم بردار ہیں۔ کیا اِس عہدہ اور میراث کی قیمت وہی ہے جو ہم نے مقرر کر رکھی ہے؟ اور کیا اس کا وہی طریقہ ہے جو ہم نے رائج کر رکھا ہے؟ اگر ہم اِس کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکتے تو مساجد کے صدور اور انتظامیہ کے افراد ان کے لیے اصول وضوابط مقرر کریں اور ان کا تعاون کریں، ائمہ وموذنین کی خوشحالی کے لیے لائحہ عمل تیار کریں، کمیٹیاں اور تنظیمیں بنائیں کچھ تو کریں......لیکن جو کچھ کریں دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے کریں۔

جب حفاظ وائمہ کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا، عوام اور مساجد کے صدور ومتولیان کو اپنی ذمہ داری کا پاس ولحاظ ہوگا تو لازماً اعتدال پیدا ہوگا، دین اپنی اصل اور صحیح شکل میں سامنے آئے گا، اِسلامی معاشرے کی تشکیل ہوگی، دنیا وآخرت میں کامیابی ہم رکاب ہوگی اور اِسلامی معاشرے میں رائج ختم قرآن کے عنوان سے نذرانہ لینے اور دینے کا غلط رواج ختم ہوگا۔ خدارا ہم اپنی عبادت کو معتدل رکھیں کہ عبادات کا اعتدال اور ان کی صحت وقبولیت ہی دنیا وآخرت میں ہمارا قیمتی سرمایہ اور اصل پونجی ہے......اور عبادات میں اِفراط وتفریط ہی ہماری پریشانیوں کا اصل سبب ہے۔

تراویح میں جو پیسے لیے گئے اس کا حکم

اگر لاعلمی کے سبب ختم قرآن پر ایک عرصہ تک نذرانہ لیا گیا اور بعد میں کسی کو اپنے عمل پر ندامت ہوئی اور اب وہ اس کی تلافی چاہتا ہے تو اس کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ اب آئندہ نذرانہ اور معاوضہ لینے سے بالکلیہ احتیاط کرے اور قرآن کریم پر نذرانہ لینے کی وجہ سے چوں کہ قرآن کریم کی بے قدری ہوتی ہے؛ اِس لیے اپنے سابقہ عمل پر صدق دل سے توبہ واستغفار کرے اور نذرانہ میں لی ہوئی جو رقم خرچ ہو چکی ہے اس کو دینے والوں پر واپس کرنا لازم نہیں ہے؛ لیکن اگر باقاعدہ معاملہ پہلے سے طے کر کے نذرانہ لیا گیا تھا تو اتنی رقم دینے والوں کو لوٹانی چاہیے اور اگر اپنی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً کوئی مطالبہ نہیں تھا تو واپسی ضروری نہیں ہے۔ ہاں اگر بعینہ نذرانہ کی رقم ابھی تک

موجود ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اس کو دینے والے پر لوٹا دیا جائے، یہ ممکن نہ ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے۔(۱)

نذرانہ کی رقم کے لیے مساجد میں چندہ کرنا

تراویح کی مروَّجہ اجرت چوں کہ از روئے شرع درست نہیں ہے اور ایسے حافظ کی امامت مکروہ تحریمی ہوتی ہے؛ اِس لیے اِس غیر شرعی کام کے لیے چندہ کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا۔ مسجد کے اندر مسجد کی ضرورت کے لیے چندہ کرنا شرعاً درست ہے۔ تراویح کے نام کا چندہ مسجد کی ضرورت میں داخل نہیں ہے، پس حافظ صاحب کو دینے کے لیے اور مٹھائی وغیرہ لانے کے لیے چندہ مہم چلانا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ چندہ مہم میں کئی ایسے حضرات چندہ دیتے ہیں جو محض اپنی عزت بچانے کی غرض سے دیتے ہیں، خوش دلی سے نہیں دیتے۔(۲) اگر کوئی نہ دے تو بعض دفعہ اسے برا بھلا کہا جاتا ہے، اس سے بدگمانی رکھی جاتی ہے، نیز اِس چندہ میں مندرجہ ذیل خرابیاں بھی شامل ہوجاتی ہیں: (۱) مسجد کا مائک اور بجلی کا بے جا استعمال (۲) مائک کی آواز کی وجہ سے سنن ونوافل اور ذکر وتلاوت میں مشغول لوگوں کو پریشانی اور خلل ہونا (۳) لوگوں کو چندہ کی ترغیب دلانا (۴) مسجد کی بے احترامی اور اس کے تقدس کی پامالی (۵) اِس چندہ کے لیے عشاء اور تراویح کی جماعت میں تاخیر کرنا (۶) اِس تاخیر کی وجہ سے مصلیان کا گپ شپ اور موبائل میں مصروف رہنا (۷) بعض لوگوں سے اصرار کے ساتھ چندہ لینا۔(۳)

دار العلوم دیوبند کا فتوی

تراویح کے نام سے چندہ دینا درست نہیں ہے اور حافظ صاحب کو وہ روپیہ لینا بھی جائز نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اماموں کی تنخواہ بہت کم ہوتی ہے جس سے بسا اوقات گزارہ مشکل ہوجاتا ہے تو اس کے حل کی جائز شکل یہ ہے کہ امام کی تنخواہ میں معقول اضافہ کر دیا جائے۔ چوں کہ امامت کی اجرت پر جواز کا فتوی ہے؛ لہٰذا جائز طریقے پر لینے دینے میں حرج نہیں، تراویح میں قرآن

---

(۱) ماخوذ: کتاب النوازل ج:۵ ص:۱۶۲، المرکز العلمی لال باغ، مراد آباد

(۲) حدیث میں ہے: لا یحل مال امرأ مسلم إلا بطیب نفسہ۔ مشکوۃ ج:۱ ص:۲۵۵، مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند

(۳) خیال رہے کہ یہ ایک مخصوص علاقہ کی صورتِ حال کی وضاحت ہے۔

سنا کر روپیہ لینا جائز نہیں۔(۱)

ختم قرآن کے موقع پر حافظ کو ہار پہنانا؟

اِس وقت مسلم معاشرے میں اصلاحِ رسومات کی سخت ضرورت ہے۔ کچھ مساجد میں ختم قرآن کے موقع پر حافظ صاحب کی عزت افزائی کے لیے پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے؛ حالاں کہ از روئے شرع یہ درست نہیں ہے؛ بلکہ غیروں کا طریقہ ہے، اور اِس میں اِسراف بھی ہے؛ اِس لیے اِس سے بچنا ضروری ہے۔(۲)

ختم قرآن کے موقع پر مٹھائی کی تقسیم اور مساجد کی بے قدری

مساجد اللہ کا گھر ہیں، یہ اہل اِسلام کی عبادت گاہیں ہیں، ان کی تعظیم اور ان کا احترام ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے اور ہر وہ عمل جس سے ان عبادت گاہوں کا تقدس پامال ہو اور ان کی بے حرمتی ہو، اس سے احتراز ہمارا ایمانی فریضہ ہے۔

تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر مٹھائی بانٹنا نہ فرض ہے نہ واجب، نہ مسنون و مستحب، محض ایک عادت وروایت کے طور پر رسم چلی آرہی ہے، اس کی وجہ سے مساجد میں گندگی تو ظاہر ہے، ساتھ ہی اس دن مسجدوں میں بڑا شور وشغب ہوتا ہے۔ مٹھائی حاصل کرنے کے لیے بچوں سے مسجدیں بھر جاتی ہیں (۳) یہ بچے پوری نمازِ تراویح کے دوران کھیل کود میں لگے رہتے ہیں۔ تقسیم کے وقت بعض جگہوں پر چھینا جھپٹی اور کھینچ تان بھی ہوتی ہے، بعض جگہوں پر نمازِ وتر کو مٹھائی تقسیم ہونے تک موخر کر دیا جاتا ہے، بعض جگہوں پر ہر مصلی کے سامنے مٹھائی رکھ دی جاتی ہے، بعض لوگ جو اس مٹھائی کو ''شیرینی'' کا نام دیتے ہیں وہ اسے بہت ہی متبرک اور مقدس شئے خیال کرتے ہیں، عہدِ نبوی سے لے کر آج تک مسجد نبوی میں تراویح کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے، اِس طرح کی تقسیم شیرینی ثابت نہیں۔

ان سب کے باوجود اگر تقسیم پر اِصرار ہی ہے تو خدارا اِس عمل کی شرعی حیثیت کا اعلان

(۱) دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، عبادات (صوم) جواب: ۵۴۴۵۶

(۲) فتاوی رحیمیہ ج:۴ص:۴۲۵، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور

(۳) اس طرزِ عمل سے بچوں میں لالچ اور حرص کی بری خصلت پیدا ہونے کے یقینی خطرات ہیں۔

ضروری ہے۔ عوام کو بتایا جائے کہ ہمارا یہ عمل از روئے شرع فرض ہے یا واجب، سنت ہے یا مستحب؟ صحیح مسئلہ اور صحیح عقیدہ کی وضاحت علماء کی ذمہ داریوں کا اٹوٹ حصہ ہے۔

بعض مساجد میں بریانی کے ڈبے تقسیم کیے جانے کے واقعات بھی سننے اور دیکھنے کو مل رہے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تقسیمِ مٹھائی کے تعلق سے کچھ ضروری وضاحت درج کی جائے۔

ختم قرآن کے موقع پر مٹھائی تقسیم کرنے کی شرعی حیثیت

اتنی بات تو طے ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ صحابہ وتابعین اور سلفِ صالحین سے تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر مٹھائی اور شیرینی تقسیم کرنا ثابت نہیں ہے۔ جب ثابت نہیں ہے تو تقسیمِ مٹھائی، تراویح اور عبادت کا حصہ نہیں۔ لیکن بعض مساجد میں اِس کا التزام اِس حد تک ہے کہ کچھ لوگ اسے دین کا حصہ سمجھتے ہیں، صبح سے ہی اس کی تیاری چل رہی ہوتی ہے اور اس کے لیے باضابطہ میٹنگ ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جو چیزیں دین کا حصہ نہیں ہیں، انھیں دین سمجھ کر انجام دینا یا غیر دینی امور کو لازم سمجھنا یا غیر دینی امور میں ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا کہ لوگ اسے دین سمجھنے لگیں: اِن سب پر ''بدعت'' کی تعریف صادق آتی ہے۔ بدعت کو بدعت سمجھنا، بدعت سے دوری اختیار کرنا، بدعت سے لوگوں کو باخبر کرنا اور انھیں اس سے بچانا کس قدر ضروری ہے اس سے ہر پڑھا لکھا شخص باخبر ہے(۱)۔ یاد رکھیں دین کے نام پر نئی ایجاد قابلِ عمل نہیں؛ بلکہ قابلِ رد ہوتی ہے اور ہر ضلالت وبدعت کا انجام دوزخ ہی ہے۔ اور اگر تقسیم مٹھائی کا یہ عمل کسی عالم دین کی نگرانی میں انجام پائے تو تصور فرمائیں دین کا کیا ہوگا؟

سرکارِ دوعالم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کا باہم قرآن سننا اور سنانا حدیث کی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ منقول ہے، وفات کے سال حضور ﷺ نے دو مرتبہ قرآن کا دَور فرمایا تھا؛ لیکن اِس طرح کا عملِ تقسیمِ شیرینی ثابت نہیں ہے، اور نہ ہی حضور ﷺ نے اس کا حکم فرمایا؛ حالاں کہ تکمیل ختم قرآن کی خوشی کا ایسا موقع اور ایسا روح پرور منظر دنیا نے کیوں کر دیکھا ہوگا: سنانے والے صاحب قرآن ﷺ اور سننے والے امین الملائکہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک رمضان میں تین مرتبہ ختم قرآن کی سعادت حاصل کی جاتی تھی، ایک مرتبہ بھی مٹھائی تقسیم کرنا

(۱) سنت اور بدعت: دو متضاد راستے ہیں، دونوں کے درمیان فاصلہ بنائے رکھنا اہل السنۃ والجماعۃ کا شعار اور شناخت ہے۔

ضروری نہیں سمجھا گیا؛ لہٰذا اِس تعلق سے شریعت کی روح سمجھنا ضروری ہے۔

جن فقہاء نے مٹھائی تقسیم کرنے کی اجازت دی ہے انھوں نے مشروط اجازت دی ہے، مثلاً قرآن پڑھنے والا تکمیل کی خوشی میں اظہارِ تشکر کے طور لوگوں میں مٹھائی تقسیم کرے یا پھر کوئی ایک دو شخص اپنی خوشی سے بغیر اعلان وتشہیر کے لوگوں میں تقسیم کریں۔ یہ عملِ تقسیم مسجد کے دروازے پر ہو یا مسجد کے باہر ہو، اِس تقسیم کو ہر سال لازم نہ سمجھا جائے۔اس کی وجہ سے مسجد کا تقدس پامال نہ ہوتا ہو وغیرہ۔ اگر ہم اپنے عملِ تقسیم کا جائزہ لیں تو ان میں کوئی بھی شرط نہیں پائی جاتی، پھر آخر ان سب قباحتوں اور خرابیوں کے ساتھ اِس عمل کے جواز کی کیا سند ہوگی؟ کیا صرف یہ سند کافی ہے کہ قدیم زمانہ سے یہی ہوتا چلا آ رہا ہے؟ کیا کسی غلط اِقدام کا دوام اور قدامت، سندِ جواز فراہم کرتا ہے؟ ان سب سوالات کے جوابات علمائے دین (وارثینِ انبیاء) کے ذمہ ہیں اوران پر عمل کرنا عوام کے حوالے ہے۔

مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ لکھتے ہیں:

> مٹھائی تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے،لوگوں نے اُسے ضروری سمجھ لیا ہے اور بڑی پابندی کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے، لوگوں کو چندہ دینے پر مجبور کیا جاتا ہے، مسجدوں میں بچوں کو اجتماع اور شور وغل وغیرہ خرابیوں کے پیشِ نظر اس دستور کو موقوف کر دینا ہی بہتر ہے۔امامِ تراویح یا اور کوئی ختم قرآن کی خوشی میں کبھی کبھی شیرینی تقسیم کرے اور مسجد کی حرمت کا لحاظ رکھا جائے تو درست ہے، مسجد کا فرش خراب نہ ہو، خشک چیز ہو اور مسجد کی بے حرمتی لازم نہ آئے تو درست ہے، بہتر یہ ہے کہ دروازے پر تقسیم کیا جائے۔(۱)

مٹھائی کے لیے چندہ کا شرعی حکم

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں ہے (مشکوۃ) ختم قرآن کے دن مٹھائی کے لیے چندہ کی مختلف نوعیتیں ہیں: کہیں مساجد کی کمیٹی کے افراد گھر گھر اور دکان دکان جا کر چندہ کرتے ہیں، کسی مقام پر مسجد کے اندر چندہ کیا جاتا ہے، کسی جگہ

(۱) فتاوی رحیمیہ ج:۴ص:۳۸۹، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور

مسجد کے فنڈ سے یہ کام کیا جاتا ہے، بعض دفعہ کسی صاحبِ ثروت کو اس (کارِ خیر؟) کے لیے آمادہ کرلیا جاتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے جب اِس موقع پر مٹھائی تقسیم کرنا کوئی شرعی فریضہ ہے ہی نہیں تو اس کے لیے چندہ کرنا بھی شرعی حکم نہیں ہوسکتا۔ مان لیجیے اگر اُس چندہ میں ایک روپیہ بھی ایسا شامل ہوگیا جو رضامندی اور خوشی سے نہیں؛ بلکہ دباؤ میں دیا گیا ہو تو اس سے خریدی گئی مٹھائی میں ''شبہ'' بہر حال پیدا ہو جائے گا۔ مسجد کی انتظامیہ کہتی ہے کہ سب لوگ خوشی سے دیتے ہیں، ان کا یہ دعویٰ اِس معنی کر قابلِ قبول نہیں ہوسکتا کہ مشاہدہ اِس کے خلاف ہے۔ نیز دل کا حال: خوشی اور زبردستی مخفی اُمور ہیں اِس لیے کسی ایک پہلو کو متعین کرنا بہت مشکل ہے؛ لہٰذا اِس عمل سے پرہیز کرنے میں ہی عافیت ہے۔

رمضان میں تراویح اور وتر کے بعد اجتماعی دعا

تراویح میں چوں کہ قرآن پاک کے ایک حصے کی قراءت سے فراغت ہوتی ہے اور تلاوتِ قرآن کے بعد دعا کرنا مسنون ومستحب ہے اور حدیث میں ہے کہ یہ قبولیتِ دعا کا وقت ہے؛ اِس لیے تراویح کے بعد یا ختم قرآن کے بعد دعا کرنا مسنون ومستحب اور اولیٰ ہے؛ لیکن اجتماعی دعا کی پابندی اور التزام ثابت نہیں ہے، اسی طرح جہراً دعا کا اِس طرح التزام کہ اس میں شریک نہ ہونے والے پر نکیر کی جائے درست نہیں، سری دعا بھی درست ہے، کوئی انفرادی طور پر بھی دعا کرسکتا ہے۔

بعض مساجد میں تراویح کے بعد دعا ہوتی ہے پھر جب لوگ وتر سے فارغ ہوتے ہیں تو دوبارہ اجتماعی دعا ہوتی ہے، یہ بھی ثابت نہیں ہے؛ اِس لیے پرہیز کرنا چاہیے، ایک بار دعا کافی ہے۔ اور بعض مساجد میں وتر کے ساتھ نفل ادا کرنے کے بعد اجتماعی دعا ہوتی ہے یہ امر بھی قابلِ اصلاح اور قابلِ ترک ہے۔ جب رمضان میں وتر کے بعد اجتماعی دعا ضروری نہیں ہے تو نفل کے بعد کیسے اجازت ہوسکتی ہے۔ ہاں لوگ انفرادی دعا میں مشغول ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ وتر ونفل کے بعد اجتماعی دعا کا بڑا مفسدہ یہ ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وتر ونفل کے بعد اجتماعی دعا نماز کی تکمیل کا حصہ ہے؛ چناں چہ بہت سے افراد اِس دعا کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنی دعا کے بعد مسجد سے جانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں لوگ انھیں عجیب نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ (۱)

---

(۱) ماخوذ: امداد الاحکام ج:۲ ص:۲۳۹، زکریا بک ڈپو- فتاویٰ دارالعلوم ج:۴ ص:۲۵۳/۲۷۱، مکتبہ زکریا بکڈپو، دیوبند- کتاب النوازل ج:۵ ص:۱۲۴

شبینہ تراویح کا حکم

شب کے معنی ہیں: رات، جس ایک رات میں پورا قرآن پڑھ کر مکمل کیا جائے اسے شبینہ کہا جاتا ہے۔ شبینہ کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے؛ کیوں کہ ایک رات میں پورا قرآن مکمل کرنا اکابر اور سلف سے ثابت ہے؛ لیکن یہ جواز چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔

۱- قرآن کو اِس قدر اطمینان سے پڑھا جائے کہ حروف سمجھ میں آئیں اور مخارج سے ادا ہوں اور تیز رفتاری ''حدر'' سے آگے نہ بڑھے۔

۲- شہرت اور ریا مقصود نہ ہو؛ بلکہ صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی مقصود ہو۔

۳- مقتدی حضرات تکبیر اولیٰ سے ہی نماز میں شریک رہیں۔

۴- کچھ لوگ پیچھے صف میں بیٹھے نہ رہیں یا چائے اور کھانے کے انتظام میں نہ لگے رہیں۔

۵- ضرورت سے زائد روشنی کا انتظام نہ کیا جائے۔

۶- شبینہ کا باضابطہ مسجدوں میں اعلان نہ کیا جائے۔

۷- اجرت اور نذرانہ کے لیے نہ پڑھا جائے۔

۸- لاؤڈ اسپیکر کی آواز مسجد کی چہار دیواری سے باہر نہ جائے

۹- اِس طرزِ عمل کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے۔

دین بیزاری کے اِس دور میں مذکورہ شرائط کا لحاظ رکھنا بہت مشکل ہے؛ اِس لیے اِس کا ترک ہی مناسب ہے۔ شبینہ ادا کی جانے والی تقریباً تمام مساجد یا مقامات میں خورد و نوش کا خصوصی انتظام ہوتا ہے۔ نیز شبینہ میں تلاوت کا شرعی معیار باقی رکھنا بہت مشکل ہے۔ شبینہ میں صرف یعلمون تعلمون سمجھ میں آتا ہے؛ کیوں کہ حفاظ پر یہ ذہنی دباؤ بنا رہتا ہے کہ صبح صادق سے پہلے مکمل کرنا ہے۔ بہت سے لوگ درمیان سے ہی ہمت ہار کر بھاگ جاتے ہیں اور جو لوگ رہ جاتے ہیں وہ فجر کی نماز کے بعد دن بھر سونے میں گذار دیتے ہیں اور اگلے دن عبادت پر اس کا منفی اثر ظاہر ہوتا ہے؛ پس اس کو فروغ نہ دیا جائے۔

داڑھی منڈے حافظ کی امامتِ تراویح

داڑھی کے متعلق سرکارِ دوعالم ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں اور سرکارِ دوعالم ﷺ کی

داڑھی کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو تفصیلات منقول ہیں، نیز داڑھی بڑھانے اور کاٹنے کے متعلق صحابہ کا جو عمل روایات میں آیا ہے ان سب کی روشنی میں چاروں ائمہ؛ بلکہ پوری امت نے یہ بات متعین کی ہے کہ داڑھی کی شرعی اور وجوبی مقدار ایک مشت ہے۔ جو داڑھی ایک مشت سے کم کردی جائے وہ ہرگز شرعی داڑھی نہیں ہے اگرچہ وہ دور سے داڑھی نظر آئے۔ اور اگر داڑھی بالکل مونڈ دی جائے تو اِس کی قباحت وشناعت بالکل واضح ہے۔

داڑھی منڈانے والا اور ایک مشت سے کم پر کتروانے والا دونوں ناجائز اور حرام کے مرتکب اور فاسق ہیں۔ اِسی طرح ہونٹ کے نیچے بیچ میں جو بال ہوتے ہیں جنھیں اردو میں بچہ داڑھی کہتے ہیں وہ داڑھی ہی کا جزو ہیں داڑھی کی طرح ان کا مونڈنا یا ایک مشت سے کم پر کتروانا ناجائز اور حرام ہے۔

امامت نہایت عظمت وبرتری اور فضیلت وروحانیت کا عہدہ اور منصب ہے؛ اِس لیے جو شخص داڑھی منڈاتا ہو یا ایک مشت سے کم پر کاٹتا ہو اس کو فرض نماز یا تراویح وغیرہ کسی بھی نماز میں امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے مکمل احتراز کیا جائے؛ تاکہ انھیں عبرت ہو اور وہ پابندِ شرع بنیں۔

چوں کہ عوام کی اکثریت داڑھی نہیں رکھتی یا غیر شرعی داڑھی رکھتی ہے؛ اِس لیے بعض مقامات پر داڑھی منڈے حافظ یا غیر شرعی داڑھی رکھنے والے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنے میں کچھ حرج محسوس نہیں کیا جاتا؛ اِس لیے حفاظ بھی اسے غلط نہیں سمجھتے؛ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ گناہ اگر عام ہو جائے تو وہ ثواب نہیں بن جاتا گناہ ہی رہتا ہے۔ بڑی تکلیف کے ساتھ یہ عرض ہے کہ ایسے حفاظ پر مادیت کا ایسا غلبہ ہے کہ وہ داڑھی رکھنا عیب سمجھتے ہیں اور امامتِ تراویح چھوڑنا گوارا نہیں کرتے؛ کیوں کہ تراویح میں نذرانہ ملتا ہے۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ امام نماز کا ذمہ دار ہوتا ہے، اگر وہ کراہتِ تحریمی کے ساتھ نماز پڑھائے گا تو اس کا حساب بھی اسے دینا پڑے گا۔ مذکورہ صورت میں دُوہری کراہتِ تحریمی کا اِرتکاب پایا جاتا ہے؛ اِس لیے اِس کی اصلاح ناگزیر ہے، اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حفاظ تراویح پڑھانا ترک کردیں؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ شرعی داڑھی کے ساتھ پابندِ شرع رہتے ہوئے

امامتِ تراویح کی سعادت حاصل کریں؛ تاہم ایسے حفاظ کے پیچھے پڑھی گئی نمازِ تراویح کراہت اور ثواب کی کمی کے ساتھ درست مانی جائے گی۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ جب تراویح کی نماز حصولِ ثواب کے لیے ہی پڑھی جارہی ہے تو ثواب میں کمی گوارا کرنا عقلمندی کی بات کیسے ہوسکتی ہے؟

نماز کی پابندی نہ کرنے والے کی امامتِ تراویح

بہت سے حفاظ پورے سال پابندی کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔ کاروبار اور دیگر مصروفیتوں میں لگے رہتے ہیں مگر جب ماہِ رمضان آتا ہے تو تراویح کی امامت کرتے ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے حفاظ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔ اگر باشرع اور پابندِ صوم وصلاۃ حافظ کا انتظام نہ ہو تو الم ترکیف کے ساتھ تراویح پڑھ لینا بہتر ہے۔ (١)

حفاظ کرام کو اِس بارے میں خوب کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ہر ایسے عمل سے مکمل پرہیز کریں جو منصبِ امامت کے تقدس کو پامال کرتا ہے۔ آپ کے سینے میں اللہ تعالیٰ کا پاک اور مقدس کلام ہے اس کی ناقدری درست نہیں ہے؛ لٰہذا اِس مقدس منصب پر فائز ہونے سے پہلے خود کو پابند شرع بنانا چاہیے؛ تاکہ اِس کی برکت سے ہمیشہ پابندِ شرع رہ سکیں۔ بعض مرتبہ دیکھا جاتا ہے کہ کچھ حفاظ کی شلوار ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہے۔ یاد رکھیں ٹخنوں سے نیچے شلوار ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے؛ اِس لیے اِس کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیے۔

عورتوں کے بارے میں تراویح کے چند مسائل

یہ بات ماقبل میں آچکی ہے کہ تراویح کی نماز جیسے مردوں کے لیے مسنون ہے ویسے ہی عورتوں کے لیے بھی مسنون ہے؛ لیکن اکثر عورتیں اس میں کوتاہی اور غفلت کرتی ہیں۔ اِس لیے عورتوں کو بھی اِس نماز کا اہتمام کرنا چاہیے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (خوفِ فتنہ اور راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے) عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ ہے اور ان کا اپنے گھر پر نماز پڑھنا مسجد میں قرآن مجید سننے کی بہ نسبت افضل ہے؛ اِس لیے عورتوں کو نمازِ تراویح اپنے اپنے گھر میں ادا کرنا

---

(١) ویکرہ إمامة عبد ...... وفاسق. وفي رد المحتار: أما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لا یهتم لأمر دینه وبأن في تقدیمه للإمامة تعظیمه وقد وجب علیهم إهانته شرعاً. (ردالمحتار ٢/٢٥٥، مکتبہ دارالکتاب، دیوبند)

چاہیے۔ گھر میں تراویح پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی حافظ محرم ہو تو اس سے گھر پر قرآن کریم سن لیا جائے اور نامحرم ہو تو پسِ پردہ رہ کر سنا جائے (١) اگر گھر پر حافظ کا انتظام نہ ہو سکے تو الم ترکیف سے (سورہ) تراویح پڑھ لی جائے۔ (٢)

حافظہ عورت کا تراویح پڑھانا

بعض علاقوں میں عورتوں کی باضابطہ جماعت کے ساتھ تراویح کا اہتمام کیا جاتا ہے، فقہاء نے اِسے مکروہ تحریمی اور ممنوع قرار دیا ہے؛ اِس لیے تنہا پڑھنا ہی بہتر ہے؛ تاہم اگر گھر میں کوئی حافظہ عورت جماعت کے ساتھ امامت کرنے پر مُصِر ہے (٣) تو وہ امام کی طرح آگے کھڑی نہ ہو جیسا کہ امام کا مصلی الگ ہوتا ہے؛ بلکہ صف ہی میں ذرا آگے ہو کر کھڑی ہو اور یہ یاد رہے کہ اِس صورت میں کسی مرد کو (خواہ اس کا محرم ہو) اس کی نماز میں شریک ہونا درست نہیں۔ (٤)

ولا يجوز اقتداء رجل بامرأة (٥)

❍❖❍

---

(١) صحتِ نماز کے لیے ضروری ہے کہ مرد امام عورتوں کی امامت کی نیت کرے اور عشاء کی نماز مسجد میں ادا کر کے تراویح پڑھائے۔

(٢) (ولا يحضرن الجماعات) لقوله ﷺ: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها، فالأفضل لها ما كان أستر لها، لا فرق بين الفرائض وغيرها كالتراويح. (حاشیۃ الطحطاوی ص: ٣٠٤، مکتبہ دار الکتاب، دیوبند)

(٣) اصرار کی وجہ بعض دفعہ یہ ہوتی ہے کہ حافظہ عورت کو قرآن بھولنے کا اندیشہ ہوتا ہے؛ لیکن اُس وقت باضابطہ محلے کی عورتوں کو جمع کرنا اور شرکت کی دعوت دینا مناسب نہیں؛ بلکہ گھر کی مستورات کافی ہیں، باہر کی عورتوں کی آمد و رفت فتنے سے خالی نہیں یا پھر تنہا تراویح میں روزانہ ایک پارہ پڑھنے کی کوشش کی جائے۔ بہتر ہے کہ پورے سال تلاوت کا اِہتمام کیا جائے، حفظِ قرآن کا یہی موثر ذریعہ ہے۔

(٤) ويكره تحريما جماعة النساء ولو التراويح ...... فإن فعلن تقف الإمام وسطهن. (الدر مع الرد ٢/٢٦٢، مکتبہ دار الکتاب، دیوبند)

(٥) عالمگیری ج: ١ ص: ٨٥، مکتبہ دار الکتاب، دیوبند

متفرقات

اعتکاف- کچھ قابل اصلاح پہلو

رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف کرنا سنت موکدہ علی الکفایہ ہے، اگر بڑے شہروں کے محلّہ میں اور چھوٹے دیہات کی پوری بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے اوپر ترکِ سنت کا وبال رہتا ہے اور کوئی ایک شخص بھی محلّہ میں اعتکاف کرے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہوجاتی ہے۔ اعتکاف کی سب سے بڑی فضیلت اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معتکف کو شبِ قدر کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے، دس روز کے مسلسل مجاہدہ کی وجہ سے دینی مزاج پیدا ہوجاتا ہے، عبادات میں چاشنی محسوس ہونے لگتی ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ پابندی سے اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ معتکف تمام گناہوں سے محفوظ رہتا ہے؛ بلکہ اس کو ان تمام اچھے کاموں کا جو وہ اعتکاف کی وجہ سے نہیں کرسکتا ایسے ہی بدلہ وثواب دیا جاتا ہے جیسا کہ نیکی کرنے والے کو دیا جاتا ہے، اعتکاف کا ارادہ رکھنے والے کے لیے مسائلِ اعتکاف سے واقفیت بہت ضروری ہے؛ اِس لیے علماء سے معلوم کرلینا چاہیے۔

دین بیزاری اور مغربی تہذیب سے متاثر ماحول میں اعتکاف سے روگردانی بڑھتی جارہی ہے۔ بعض مساجد میں اعتکاف کرنے کے لیے کوئی تیار ہی نہیں ہوتا؛ اِس لیے مساجد اور ایسے محلے اور معاشرے میں دینی بیداری پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ جن مساجد میں کوئی اعتکاف کرنے کے لیے تیار نہ ہو وہاں کسی کو پیسے دے کر اعتکاف میں بیٹھانے سے اعتکاف درست نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اعتکاف پر اجرت دینا یا لینا جائز نہیں۔ اِسی طرح بعض مساجد میں چاند رات کو معتکفین کے اعزاز میں گل پوشی یا دعوت وغیرہ کا اہتمام ہوتا ہے، یہ بھی مقصدِ اعتکاف کے خلاف ہے۔ انفرادی طور پر کوئی شخص اگر معتکف کو کچھ ہدیہ پیش کرے یا مبارک باد کہے تو حرج نہیں؛ لیکن معتکف کو ہار پہنانا مناسب نہیں ہے، رسم سے زیادہ اِس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور معتکف کو چاہیے کہ ان سب خرافات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے، اور جو حضرات اِس رسم ورواج کے داعی ہیں انھیں منع کردے۔ اس کا اصل اِعزاز رب العالمین کی بارگاہ میں ہوگا۔ اخلاص اور بے لوثی ہی ہر عبادت کی روح ہے۔ دنیاداری، ریا وشہرت اور مادیت کی وجہ سے عبادات کی روح ختم ہوجاتی

ہے جس کی وجہ سے عمل تو صحیح ہو جاتا ہے؛ لیکن مقبول نہیں ہوتا اور اِس طرح انسان روحانی و نورانی فوائد سے محروم ہو جاتا ہے اور اُسے اِحساس بھی نہیں ہوتا۔

اِسی طرح معتکف کو غیر ضروری طور پر موبائل کا استعمال نہیں کرنا چاہیے، نیٹ تو بالکل استعمال نہیں کرنا چاہیے، لایعنی گفتگو کے بجائے خاموشی یا ذکر و تلاوت میں مشغولی ضروری ہے۔

معتکفین کا دعوتِ طعام کا اِہتمام کرنا

چوں کہ معتکفین کو مسجد سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے مسجد میں کھانا، سونا اور دیگر معمولات انجام دینا جائز ہے۔ اس صورت میں بھی مسجد کا تقدس اور اس کا ادب و احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ بعض مساجد میں معتکفین کے کھانے پینے کا اجتماعی نظم نا مناسب منظر پیش کرتا ہے جو مسجد کے آداب نیز مقصدِ اعتکاف کے خلاف ہے۔ اخیر عشرہ میں روزانہ ایک معتکف یا اس کا دوست رات کے کھانے کی دعوت کرتا ہے جس میں غیر معتکفین بھی شریک ہوتے ہیں۔(۱) یقیناً یہ امر قابلِ اصلاح اور قابلِ ترک ہے۔ علماء اور انتظامیہ کا فرض ہے کہ وہ اِس کا اِنسداد کریں۔ معتکف حضرات کو چاہیے کہ اپنا قیمتی وقت اہتمامِ دعوت اور شرکتِ دعوت میں ضائع نہ کریں۔ دعوت کا اہتمام رمضان کے بعد بھی ہو سکتا ہے؛ لیکن اعتکاف کی قیمتی گھڑیاں دوبارہ نہیں ملیں گی۔ اعتکاف کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان عام دنیاوی جائز کاموں سے بھی محفوظ رہ کر عبادت و ریاضت کا خوب اہتمام کرے۔

مساجد میں ذِکر بالجہر کا رواج؟

بلند آواز سے ذِکر کرنا جائز اور احادیث سے ثابت ہے؛ اِس لیے مسجد میں ذِکر بالجہر کی گنجائش ہے؛ لیکن اگر اِس ذکر بالجہر کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں یا سونے والوں کی نیند میں خلل واقع ہو یا تلاوت و تسبیحات میں مصروف شخص کی یکسوئی متاثر ہوتی ہو یا مسجد کا مائک استعمال کیا جائے کہ آواز مسجد کے باہر بھی جاتی ہو تو ایسا ذکر ''ذکرِ مُفْرَط'' کا مصداق ہے اور یہ منع ہے؛ اِس لیے نہیں کہ یہ ذکر ہے؛ بلکہ اِس لیے کہ یہ دوسروں کی ذہنی تکلیف کا ذریعہ ہے۔ بعض جگہوں میں

---

(۱) اِسی طرح اگر معتکف اپنے گھر سے آیا ہوا کھانا کھا رہا ہو تو غیر معتکف حضرات کا اُس کے ساتھ کھانا کھانے کی عادت بنانا مکروہ ہے۔

اجتماعی ذکر بالجہر کا ماحول بن جاتا ہے؛ اِس سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اجتماعی ذکر میں خاموشی بہتر ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے کچھ لوگوں کو جمع ہو کر کلمہ طیبہ اور صلاۃ وسلام پڑھتے دیکھا تو ان کے پاس گئے اور فرمایا: ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ دیکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تمھارا یہ عمل بدعت ہے اور انھیں مسجد سے نکال دیا۔(۱)

رمضان میں نماز کے بعد مسجد میں آرام کرنا

رمضان میں بعد نماز ظہر یا عصر مسجد کی اے سی یا پنکھا چلا کر بہت سے لوگ آرام کرتے ہیں، بہت سے افراد سو جاتے ہیں اور بہت سے لوگ گپ شپ میں لگے رہتے ہیں، یہ عمل بھی قابلِ اصلاح ہے۔ مسجد عبادت گاہ ہے آرام گاہ نہیں؛ لہٰذا نماز کے بعد مسجد میں باضابطہ لیٹنے اور آرام کرنے یا دنیاوی گفتگو کرنے کا ماحول نہیں بنانا چاہیے۔ معتکف، مسافر اور دینی غرض سے نماز کے بعد ٹھہرنے والوں کو اس کی اجازت ہے۔ حدیث میں ہے کہ مساجد صرف ذکرُ اللہ، تلاوتِ قرآن اور نماز کے لیے بنائی گئی ہیں؛ لہٰذا مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے۔ صحابہ کرام کثرتِ ذکر سے بازار کو مسجد بنادیا کرتے تھے اور ہم نے مسجد کو بازار بنادیا ہے۔ علاقہ کے لوگوں کا مسجد میں باہمی خیر خیریت پوچھ لینا اور کوئی ضروری بات کرنا ممنوع نہیں؛ لیکن لایعنی قصے لے کر بیٹھ جانے کی اجازت نہیں۔ اِس سلسلے میں عوام کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔

افطار سے پہلے اجتماعی دعا

شریعت میں افطار سے قبل اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے؛ البتہ افطار کے وقت دعا کی قبولیت کا وعدہ ہے؛ اِس لیے انفرادی دعا کرنا چاہیے(۲) بعض جگہوں میں افطار سے پہلے اجتماعی دعا کا رواج پایا جاتا ہے؛ بالخصوص دعوتِ افطار میں اجتماعی دعا کا اہتمام کیا جاتا ہے؛ اِس لیے اِس جانب توجہ اور اصلاح کی ضرورت ہے۔

○❖○ ختم شد ○❖○

---
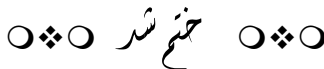
(۱) فتاوی بزازیہ برحاشیہ عالمگیری ج:۳ص:۳۷۸،مکتبہ دارالکتاب، دیوبند/ ردالمحتار ج:۲ص:۳۷۷،مکتبہ دارالکتاب، دیوبند
(۲) آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، جواب:۱۶۴۳۲

مولف کے کوائف

نام	:	محمد تبریز عالم
تاریخ پیدائش	:	یکم فروری ۱۹۸۵ء
آبائی وطن	:	B.N منزل، نیوایریا، ڈہری آن سون، ضلع رُہتاس (بہار)
ابتدائی تعلیم	:	(۱) مدرسہ روح المسلمین، ڈہری (۲) مدرسہ فلاح الدارین، ڈہری (۳) مظہر العلوم بنارس (۱۴۱۴ تا ۱۴۲۲ھ)
چہارم تا دورۂ حدیث	:	ریاض العلوم گوریني جون پور (۱۴۲۳ تا ۱۴۲۶ھ)
مکرر دورۂ حدیث	:	دارالعلوم دیوبند ۱۴۲۷ ھ
تکمیلِ ادب عربی	:	دارالعلوم دیوبند ۱۴۲۸ ھ
تکمیلِ افتاء	:	دارالعلوم دیوبند ۱۴۲۹ ھ (اول پوزیشن)
تدریب المعلمین (معین مدرس)	:	دارالعلوم دیوبند ۱۴۳۰ تا ۱۴۳۱ ھ
تدریس	:	دارالعلوم حیدرآباد ۱۴۳۲ھ تا حال و اِلی ماشاءاللہ تعالیٰ
خطابت	:	مسجد شیخہ سعید محمد، سلیمان نگر حیدرآباد
تالیف	:	(۱) اسلام کا نظامِ سلام ومصافحہ (صفحات: ۵۰۲) (۲) موجودہ دور کے اندھیرے اور دعائے نبوی کی روشنی (حصہ اول) (۳) تسہیل النظائر شرح اردو الاشباہ والنظائر (صفحات: ۵۰۰) متعدد کتب زیرِ ترتیب، اخبار ورسائل میں مختلف موضوعات سے متعلق درجنوں مضامین شائع ہوچکے ہیں۔

مؤلف کی دوسری کتابیں